

قیمت: پانچ روپے

سطح عالمی

انٹرنیشنل

اُردو کا پہلا بین الاقوامی ہفت روزہ

مسلم اسپین زندہ ہو گیا



راؤ کی لگلی منزل جیل



اس شمارے میں

- ☆ الیکشن مسئلہ کشمیر کا حل ہوتے تو یہ زخم ماسور نہیں بنتا
- ☆ جدید مورخین نے ثابت کیا ہے کہ قدیم ہندو گائے خور تھے
- ☆ ترکی کی فضاؤں میں اسرائیلی طیاروں کی جاسوسی
- ☆ مسلمان ذبح ہوتے رہے اور مغربی صحافی جھوٹ بولتے رہے
- ☆ گوڈ سے خاندان کی دیوانگی سے بی بی جے پی کا رشتہ
- ☆ فٹبال ٹورنامنٹ اور فرینچ اوپن ٹینس پر مفصل رپورٹیں
- ☆ اس کے علاوہ دیگر اہم موضوعات اور مستقل کالم

AUSTRALIA	AS \$ 3.50	DENMARK	D. KR. 14.00	ITALY	LIT. 3,000	NEW ZEALAND	NZ\$ 4.95	SRILANKA	Rs 40
BANGLADESH	Taka 20	FRANCE	Fr 10	JAPAN		NORWAY	N. KR 12.00	SWEDEN	Kr 15
BELGIUM	Fr 70	FINLAND	F. MK 10.00	KOREA	W 1,800	PAKISTAN	Rs. 15	SWITZERLAND	Fr 3
BRUNEI	BS \$ 4.50	GERMANY	DM 3.50	MALAYSIA	RM 3.00	PHILIPPINES	P 25	THAILAND	B 40
CANADA	CS \$ 3.50	HONG KONG	HK\$ 15.00	MALDIVES	Rf 12.00	SAUDI ARABIA	SR 3	U. K.	.60p.
CHINA	RMB 12.50	INDONESIA	RP 3,400 (INC. PNN)	NETHERLANDS	G 3.30	SINGAPORE	S\$ 2.50	U.S.A.	\$1.25

الیکشن ہی مسئلہ کشمیر کا حل ہوتا تو یہ زخم ناسور نہیں بنتا

مرکزی حکمران جتنی جلد نوشتہ دیوار پڑھ لیں ہندوستان کے لئے اقتباسی بہتر ہوگا

سرینگر سے ابو الفت کی رپورٹ

کریڈا۔ ایک آٹھ سالہ معصوم بچی کے سر پر ہندو خاموش رہ کر اپنے مقدس پیشے کے تقدس کو پامال کرتے رہے۔

یاس اور خوف و دہشت کا مظہر تھا۔ * مسجد کے میناروں سے اس روز برقی اذان

جوں و کشمیر میں انتظار، اضطراب، کرب اور بے

لوگوں کو نہیں دیں گے جو تمہیں بھی مارتے رہے اور ہمیں بھی۔ اور اب ہم ہی سے ووٹ مانگ رہے ہیں۔ کیا ہی اچھا ہوتا اگر آپ نے اپنے کسی جوان کو الیکشن میں ٹھہرا کیا ہوتا تو ہم اسے ووٹ دینے کے لیے جوق در جوق نکلتے۔ بعد میں بی۔ ایس۔ ایف نے اس علاقے کے لوگوں کو سخت مار پیٹ کے بعد ووٹ ڈالنے پر مجبور کر دیا۔

آخر ملک کے حکمران کیسے یہ توقع کرتے ہیں کہ طاقت کے بل پر کشمیریوں کو ہمیشہ کے لیے زیر کیا جاسکتا ہے۔ کشمیر میں بغاوت کی موجودہ صورت حال پچھلے چالیس برس کے اسی غیر جمہوری دھونس، دباؤ اور دھاندلی کا رد عمل ہے۔ اگر الیکشن کرنا ہی مسئلہ کشمیر کا حل ہوتا تو پچھلے نصف صدی کے دوران کشمیر میں نصف

درجن الیکشن ہوتے ہیں اور جن میں عوام نے اپنی مرضی سے بھرپور شرکت بھی کی۔ لیکن پھر بھی یہ ناسور اپنی جگہ موجود ہے بھارت کے پالیسی ساز ادارے جو مختلف تجربے کشمیر میں کر رہے ہیں ان سے نہ صرف بھارت کی ساکھ بیرونی دنیا میں بری طرح متاثر ہوئی ہے بلکہ کشمیریوں کی نئی نسل کی نفسیات پر ایسے اثرات مرتب ہو رہے ہیں جو مستقبل میں خوفناک نتائج کے حامل ہو سکتے ہیں۔ اب بھی وقت ہے کہ پالیسی ساز ادارے ٹھوس اقدام کریں۔ یہ ایک مسئلہ حقیقت ہے کہ ہندو

کے بل پر ہم زیادہ دیر تک اس بغاوت کو نہیں دبا سکتے ہیں۔ مسئلہ کشمیر کو دیر یا سوری حل کرنا ہی ہو گا۔ اور ہمارے حکمران جتنی جلد اس نوشتہ دیوار کو پڑھیں گے بھارت کے لیے اتنا ہی بہتر ہو گا۔

اس میں دو رائیں نہیں ہو سکتی ہیں کہ چناؤ کے اس شرمناک عمل نے ہند نواز عناصر کو بھی بھارت سے متفر کر دیا ہے کیونکہ الیکشن کے عمل کے دوران جمہوریت کے نام پر جو رتاؤ یہاں کے عوام سے روا رکھا گیا اس کی نظیر دنیا میں کہیں نہیں ملتی۔ ان دل دہلانے والے واقعات کی باز گشت عالمی ذرائع ابلاغ میں سنائی دی ہے خود کشمیری عوام میڈیا اور فوج کے مضحکہ خیز رول کا مذاق اڑاتے نظر آتے ہیں مثلاً ایک علاقے میں فوج کا ایک بیڑا اپنے جوانوں کے ہمراہ ایک محلے میں داخل ہو گیا۔ محلے کے مردوں سے کہا گیا کہ وہ سڑک پر ایک جگہ جمع ہو جائیں۔ میجر



الیکشن کے دن مسلح دستوں کی جبری کارروائیاں

آخِر ملک کے حکمران کیسے یہ توقع کرتے ہیں کہ طاقت کے بل پر کشمیریوں کو ہمیشہ کے لیے زیر کیا جاسکتا ہے۔ کشمیر میں بغاوت کی موجودہ صورت حال پچھلے چالیس برس کے اسی غیر جمہوری دھونس، دباؤ اور دھاندلی کا رد عمل ہے۔

صاحب نے بھاشن دینا شروع کیا اور اپنے بھاشن میں مقامی ملازمین پر حکومت کا وفادار نہ ہونے کا الزام لگایا۔ پھر لوگوں سے کہا گیا کہ وہ پولنگ بوتھ پر ووٹ ڈالنے کے لیے جائیں۔ لیکن ایک شخص نے کھڑے ہو کر میجر سے کہا کہ ہم اپنا ووٹ ان

مئی کو سری نگر کے میڈیکل انسٹی ٹیوٹ کے آپریشن تھیٹر میں جمہوریت کی بھینٹ چڑھ گئی۔ * پانچ ہزار ووٹوں کی ایک بستی میں فقط ۱۰۰

تک کہ دور درشن کی کیمرا ٹیم نے ان کی عکس بندی نہ کر لی۔ مساجد کے لاؤڈ سپیکروں سے اعلانات کے باوجود لوگ اپنے گھروں سے ووٹ ڈالنے کے لیے جب نہیں نکلے تو انہیں گھروں سے گھسیٹ کر موٹیوں کی طرح بانک کر پولنگ بوتھوں تک لے جایا گیا جہاں ان سے "جمہوری حق" کا استعمال کرایا گیا۔ اگرچہ عوام کی اکثریت نے پھر بھی تمام امیدواروں کے نشانات پر مہر ثبت کر کے اپنی ناراضگی اور غم غصے کا اظہار کیا۔

* ہندواڑہ کے ایک علاقے میں جبری پولنگ کے خلاف احتجاج کرنے کے لیے مرد آبادی مقامی مسجد میں جمع ہو گئی جبکہ عورتیں ایک میدان میں اکٹھا ہوئیں۔ فوج نے عورتوں کے اس مجمع پر ہلہ بول کر کئی خواتین کو شدید زخمی

کر دیا۔ * ہندواڑہ کے ایک علاقے میں جبری پولنگ کے خلاف احتجاج کرنے کے لیے مرد آبادی مقامی مسجد میں جمع ہو گئی جبکہ عورتیں ایک میدان میں اکٹھا ہوئیں۔ فوج نے عورتوں کے اس مجمع پر ہلہ بول کر کئی خواتین کو شدید زخمی

کر دیا۔ * ہندواڑہ کے ایک علاقے میں جبری پولنگ کے خلاف احتجاج کرنے کے لیے مرد آبادی مقامی مسجد میں جمع ہو گئی جبکہ عورتیں ایک میدان میں اکٹھا ہوئیں۔ فوج نے عورتوں کے اس مجمع پر ہلہ بول کر کئی خواتین کو شدید زخمی

کر دیا۔ * ہندواڑہ کے ایک علاقے میں جبری پولنگ کے خلاف احتجاج کرنے کے لیے مرد آبادی مقامی مسجد میں جمع ہو گئی جبکہ عورتیں ایک میدان میں اکٹھا ہوئیں۔ فوج نے عورتوں کے اس مجمع پر ہلہ بول کر کئی خواتین کو شدید زخمی

کر دیا۔ * ہندواڑہ کے ایک علاقے میں جبری پولنگ کے خلاف احتجاج کرنے کے لیے مرد آبادی مقامی مسجد میں جمع ہو گئی جبکہ عورتیں ایک میدان میں اکٹھا ہوئیں۔ فوج نے عورتوں کے اس مجمع پر ہلہ بول کر کئی خواتین کو شدید زخمی

جدید مصنفین نے یہ ثابت کیا ہے کہ قدیم ہندو بھی گائے خور تھے

سچ تو یہ ہے کہ پورا ایشیا بلکہ پوری دنیا گائے کھاتی ہے

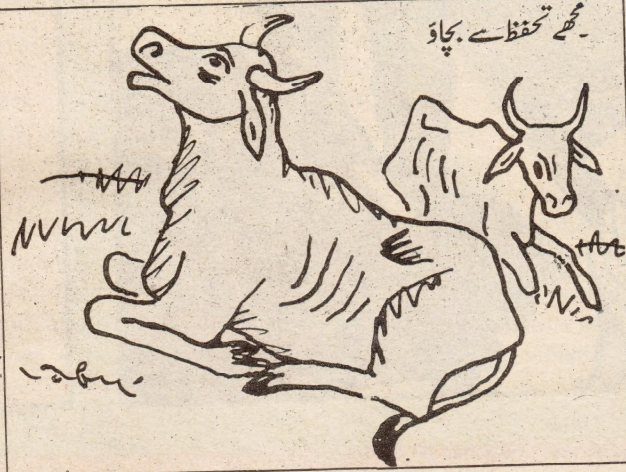
تحریر: ابو ابراہیم

خواہش کے احترام میں کیا گیا ہے۔ بہر حال ملک کا دستور گائے کے گوشت کی پیداوار اور اس کے استعمال سے نہیں روکتا۔ وہ یہ کہتا ہے کہ:

ریاست جدید اور سائنسی خطوط پر زراعت اور مویشی پالنے کی صنعت کو فروغ دے گی اور خصوصاً جانوروں کی نسلوں کو محفوظ رکھے اور انہیں بہتر بنانے کی طرف توجہ دے گی۔ گائوں، بچڑوں اور دودھ دینے والے جانوروں کو کاٹے جانے سے بچائے گی۔ اس میں ان بیلوں اور دیگر مویشیوں کا کوئی ذکر نہیں ہے جو بے مصرف ہو جاتے ہیں۔

جن کا کوئی مصرف نہیں ہوتا علاوہ اس کے وہ زرخیز علاقوں کو بھی بجز ویا بان بنادیں۔ لیکن جب تک گائے کا تحفظ ہندو بنیاد پرستی کا اصل اصول بن رہا ہے گا۔ گائے پٹی کے جنونیوں کو کوئی معقول دلیل قائل نہیں کر سکتی۔ سوئل نے بی بی پی پر یہ الزام بھی لگایا ہے کہ اس نے ملک کو واضح طور پر گائے پٹی اور غیر گائے پٹی میں بانٹ دیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ان کے لمحے میں کچھ درشتی رہی ہو لیکن انہوں نے جو کچھ کہا اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ یہ بڑی عجیب سی بات ہے کہ ہمارے سیکولر مین کو وضع کرنے والوں نے گائے کے تحفظ کو ڈاکٹر کوٹ پر نپلز کا حصہ بنا یا ہو۔ ممکن ہے کہ ایسا گاندھی جی کی دلی

گائے خوری پر معترض نہیں ہوتی۔ یہاں کے گائے خوروں میں بڑی تعداد اعلیٰ ذات کے افراد کی ہے اور یہاں تک کہ برہمن بھی شامل ہیں۔



مجھے تحفظ سے بچاؤ

گائے خوری پر پابندی کی معاشی نامعقولیت بھی جی جی سوئل نے واضح کی اور بتایا کہ ہندوستان میں اسی فیصد مویشی عمر دراز یا ناکارہ ہو جاتے ہیں

نے روشنی اگڑا لی ہے تو وہ ہیں ممبر پارلیمنٹ جی جی سوئل۔ انہوں نے اس بات سے اتفاق کیا کہ اگر کوئی سامراجی طاقت شمال مشرقی علاقوں پر اپنے غذائی تصورات مسلط کرنے کی کوشش کرے گی تو اس علاقے میں اس کی زبردست مخالفت کی جائے گی اور اس کا وہی حشر ہو گا جو مغل فاتحوں کا ہوا تھا جنہوں نے میدان جنگ میں شکست کھائی۔ "میں لوک بھما کامبر ہوتا تو میں مداخلت کرتے ہوئے ضرور یہ کہتا کہ شمالی ہند کے ہندو تو کے نظریے پرستوں کا بھی یہی حشر ہو گا اگر وہ کیرالا کے باشندوں کی غذائی عادات میں دخل اندازی کریں گے۔ کیرالا کی نوے فیصد آبادی گائے خور ہے یا دوسروں کی

گائے خوری پر پابندی لگانا سیکولر اقدام ہے۔ ہندو تو فلسفے کے سچے سیکولر ہونے کا بھاجانی دعویٰ اس وقت باطل ہونے لگتا ہے جب وہ لوگوں کو گوشت خوری سے باز رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ گائے کی پرستش بھی قدیم ہندوؤں کی بہت نامعقول اور بے معنی عقائد کا ایک حصہ ہے۔ اور پھر کوئی حکومت اقلیتوں، برہمنوں اور قبائلیوں پر گائے خوری پر پابندی کیسے لگا سکتی ہے جب کہ وہ ان کے لیے غذائی پروٹین کا اہم ترین ذریعہ اور ان کے طرز زندگی کا جزو لازم ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ پورا ایشیا بلکہ پوری دنیا گائے خور ہے اس کی وجہ جیسا کہ عام خیال ہے یہ نہیں کہ گائے کا گوشت سستا ہوتا ہے (جہیں یہ دیگر تمام اقسام سے منگنا بکتا ہے) بلکہ اس لیے کہ گائے خوری دنیا کے بیشتر معاشروں کی روایت دی ہے۔ اس معاملہ پر بیباک ترین انداز میں کسی

اس ملک میں ایک نئی سیاسی صف بندی کا وقت آپہنچا ہے

ملی پارلیمنٹ کے اعلیٰ سطحی اجلاس سے وابستہ توقعات کا ایک جائزہ

ہو چکا ہے۔ بی بی کے علاوہ ساری پارٹیاں سیاسی فیصلہ کرنے کے بجائے اپنے دشمنوں میں سے کسی ایک دشمن کو سیاسی قوت سونپنے کے ہوئے ہیں۔ یہ سوال سامنے لایا گیا ہے کہ بی بی کے حق میں آنے سے روکنے کے لیے حکومت کو پچیس کروڑ مسلمانوں کے احساسات کی کوئی فکر نہیں۔ البتہ ڈیڑھ کروڑ سکھوں کو خوش کرنے کے لیے وزیر اعظم کشاں کشاں گولڈن میل چلے جاتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ سکھ اپنی بنیادوں پر سیاسی طور پر منظم ہیں۔ ان کے درمیان سکھ قوم کا مفاد پیچھے والے

متحدہ محاذ کی حکومت نے دلوں کے لیے تو ریزرویشن کا وعدہ کیا لیکن مسلمانوں کے حصے میں صرف باری مسجد کی طفل تسلی آتی ہے بیشتر مسلم تنظیموں نے قابل اعتنا نہیں گردانا۔ اس حکومت کو پچیس کروڑ مسلمانوں کے احساسات کی کوئی فکر نہیں۔ البتہ ڈیڑھ کروڑ سکھوں کو خوش کرنے کے لیے وزیر اعظم کشاں کشاں گولڈن میل چلے جاتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ سکھ اپنی بنیادوں پر سیاسی طور پر منظم ہیں۔ ان کے درمیان سکھ قوم کا مفاد پیچھے والے

پارلیمنٹ ریاست کی تمام مسلم تنظیموں اور سیاسی شعور رکھنے والوں پر مشتمل ایک سیاسی کنونشن لکھنؤ میں جلد از جلد منعقد کرے تاکہ سیکولر بازی گروں کے ہاتھوں امت کو سیاسی استحصال سے بچایا جائے اور اس طرح مسلمانوں کی سیاسی قیادت پر کفار و مشرکین کے ممکن ہو جانے کا دور ختم ہو۔

ہو جانے پر سادہ لوح مسلمانوں میں اطمینان اور مسرت کی لہر دوڑ گئی تھی۔ اور ان کی وزارت اور حمایت میں مسلمانوں کے وہ تمام مکار میسجی موجود ہیں جنہیں سادہ لوح امت اپنا میسجی سمجھتی ہے۔ ان کی حکومت میں ملائم سنگھ جیسے مسلم میسجی کا دعویٰ کرنے والے رہنما بھی موجود ہیں جنہیں کبھی سادہ لوح مسلمان مولانا ملائم سنگھ بھی سمجھتے تھے۔ اس حکومت کو لالو یاد کی حمایت بھی حاصل ہے جنہیں مسلمانوں کو سبز باغ دکھا کر ان کے دوٹوں کی قیمت پر سیاست کرنے کا ہنر خوب آتا ہے۔ اور ان کی حکومت میں رام دلاس پاسوان بھی شامل ہیں جنہیں مسلمانوں کی حمایت میں تقریر کا خاص ملکہ حاصل ہے۔ ان کی حکومت کو دی پی سنگھ جیسے بظاہر بے داغ "مسلم دوست" شخص کا آشیراد بھی حاصل ہے۔ جنہیں نہ جانے کیوں مسلمانوں کے درمیان صاف ستھری شخصیت سمجھا جاتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس نام نہاد

برسوں کی طویل علالت کے بعد بالآخر دشمن اسلام بالا صاحب دیورس آنجانی ہو گئے۔ دیورس کی طویل متحرک اور سرگرم زندگی دراصل اسلام اور مسلم دشمنی سے عبارت تھی۔ اپنی زندگی کے ایک لکھ کو انہوں نے اس ناپاک مشن کے لیے وقف کیے رکھا کہ سرزمین ہند سے اللہ اور اس کے رسول کے نام لیاواؤں کا وجود کچھ اس طرح بے معنی بنادیا جائے کہ ایک عظیم عددی قوت کے باوجود وہ ایک بے بس غلامانہ سیاسی زندگی جیسے پر آمادہ ہو جائیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ دیورس اور ان کے ساتھیوں کو کسی نہ کسی حد تک اپنے مشن میں کامیابی ضرور ملی یہاں تک کہ ایک ایسی صورت حال پیدا ہو گئی جب ان کی مسلم دشمن فاشٹ فکر کو ایک اچھوت نظریے سے آگے بڑھ کر عام ہندو ذہنوں میں بھی قابل قبول اور قابل عمل فلسفے کی حیثیت سے تسلیم کر لیا گیا۔

لیے فکر مند ہوں۔ اس ضمن میں جولائی کے آخری عشرے میں ملی پارلیمنٹ نے علی گڑھ میں جو اعلیٰ مشاورتی اجلاس طلب کیا ہے توقع ہے کہ اس میں پوپ کی سیاسی سرگرمیوں کا جائزہ بھی لیا جائے گا اور ان امکانات پر بھی غور کیا جائے گا کہ ریاست میں ایک نئی مسلم سیاسی قوت کا احیا کس طرح ممکن ہے۔ لیکن علی گڑھ کے اس مشاورتی اجلاس سے آگے بڑھ کر ضرورت اس بات کی ہے کہ ملی پارلیمنٹ ریاست کی تمام مسلم تنظیموں اور سیاسی شعور رکھنے والوں پر مشتمل ایک سیاسی کنونشن لکھنؤ میں جلد از جلد منعقد کرے تاکہ سیکولر بازی گروں کے ہاتھوں امت کو سیاسی استحصال سے بچایا جائے اور اس طرح مسلمانوں کی سیاسی قیادت پر کفار و مشرکین کے ممکن ہو جانے کا دور ختم ہو۔

مسلمانوں کے لیے صرف ایک راستہ ہے یعنی ایس پی بی ایس پی کے کسی اتحاد یا اس قسم کی کسی سیاسی صف بندی کے حق میں اپنا ووٹ ڈالیں۔ ہر سیاسی بازیگر مسلمانوں کی بھونٹی ہمدردی کا سہارا لے کر ان کی ووٹوں کے حصول کے لیے بے تاب ہے۔ مسلمانوں کو ہندو احیا پرستوں سے ٹکرا کر مسلمانوں کی "قربانیوں اور ان کی جاں فشانوں" کے بل بوتے پر اپنی حکومت کے قیام کا خواب ہر وہ سیاسی بازیگر دیکھ رہا ہے جسے ایک مسلم دوست چہرہ بنائے رکھنے پر قدرت حاصل ہے۔

ملک کے دردمند مسلمانوں پر اس وقت یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کی سیاسی رہنمائی کے لیے ایک ٹھوس لائحہ عمل ترتیب دیں تاکہ مسلمانوں کی مجبوری کی پیش نظر

ملک کے دردمند مسلمانوں پر اس وقت یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کی سیاسی رہنمائی کے لیے ایک ٹھوس لائحہ عمل ترتیب دیں تاکہ مسلمانوں کی مجبوری کے پیش نظر سیاسی فیصلہ کرنے کے بجائے اپنے دشمنوں میں سے کسی ایک دشمن کو سیاسی قوت سونپنے کے بجائے اپنی بنیادوں پر خود کو متحد کرنے کا کام کر سکیں۔

مسلم حمایتی حکومت کا جائزہ لینے پر یہ بات صاف واضح ہو جاتی ہے کہ دیوگڑا، باجپئی اور زرسرماراویہ سب ایک ہی شخصیت کے مختلف نام ہیں۔

بات سوچنا عجب ہے۔ پوپ میں اسمبلی انتخابات کے پیش نظر نئی سیاسی صف بندی کے لیے جوڑ توڑ کرنا شروع

دیورس کی موت پر جہاں بہت سے ہندو رہنماؤں نے اظہار تعزیت کیا ہے وہیں ٹیلی ویژن کی بعض رپورٹوں میں موجودہ وزیر اعظم دیوگڑا کا نام بھی شامل ہے جنہوں نے اس رپورٹ کے مطابق دیورس کو پچا دیش بھکت بتایا ہے۔ انہی دیوگڑا کے بارے میں باجپئی نے پہلے بھی یہ بات کہی تھی کہ انہوں نے ایک موقع پر آر ایس ایس کو بے داغ تنظیم قرار دیا تھا۔ دیوگڑا وہی وزیر اعظم ہیں جو نام نہاد سیکولر قوتوں کے نمائندہ سمجھے جاتے ہیں اور جن کے وزیر اعظم منتخب

The Milli Fellowships for Journalism

The Milli Times International invites applications on plain paper for the following positions, to commence from September, 1996.

Junior Fellowship (2 positions)

Salary US \$ 1200 p.a. or Equivalent + other facilities

Senior Fellowship (1 position)

Salary US \$ 2100 p.a. or Equivalent + other facilities

Applicants should have a natural talent for writing in Urdu and English. A degree in journalism or management will be preferred. Preference will be given to young people (male or female) with prior experience in this field. Selected candidates will be expected to use the newest computer based technology. For the senior position applicant should have substantial experience, preferably in a newspaper or news magazine plus an appropriate academic qualification.

To be assured of full consideration, applications should be sent by August 10, 1996 to:

Scholarship Committee

Milli Times International

D-49 Abul Fazl Enclave, Jamia Nagar, New Delhi-25

Tel: +91-11-6827018 Fax: +91-11-6926030

مزید تاخیر آپ سے یہ موقع بھی چھین لے گی

۲۸ تا ۲۹ جولائی

علی گڑھ میں منعقد ہونے والے تربیتی ورکشاپ میں شرکت دراصل ایک ایسا موقع ہو گا جس میں آپ اپنی زندگی کے کامیاب ترین استعمال کا سلیقہ سیکھیں گے۔

بہشت بھر شرب و روز آپ ان لوگوں کے درمیان ہونگے جو ہر قیمت پر اس ملک میں ایک نئی صبح کے قیام کے لیے کوشاں ہیں۔

اور اسی موقع پر ملی پارلیمنٹ اپنا اعلیٰ سطحی مشاورتی اجلاس بھی منعقد کرے گی جس میں آنے والے دنوں کے لیے کام کا خاکہ تیار کیا جائے گا۔

ورکشاپ کی اس غیر معمولی اہمیت کے پیش نظر قائد ملی پارلیمنٹ نے دردمندان امت سے خاص طور پر اپیل کی ہے کہ جو لوگ ملی پارلیمنٹ کے مختلف اجلاس میں شریک ہو چکے ہیں وہ اس تربیتی کیمپ میں ضرور شریک ہوں۔ البتہ نشستوں کی کمی کی وجہ سے لازم ہے کہ آپ شرکت کی اطلاع اپنی آمد سے قبل دیں۔

ضروری تفصیلات:

- ۱۔ پروگرام کا آغاز ۲۸ جولائی کی شام کو ہو گا اس لیے شرکاء لازماً دوپہر تک علی گڑھ پہنچ جائیں۔
- ۲۔ ۲۸ جولائی دوپہر تک پروگرام اختتام کو پہنچے گا۔ شرکاء اپنی واپسی کا ریزرویشن ابھی سے کرالیں تاکہ عین وقت پر دشواری پیش نہ آئے۔
- ۳۔ رجسٹریشن فیس ۲۰۰ سے ۵۰۰ روپے (حسب استطاعت) رکھی گئی ہے جس میں قیام و طعام کے انتظامات بھی شامل ہیں۔ البتہ طلباء و طالبات کے لیے کوئی فیس نہیں ہوگی۔
- ۴۔ اگر آپ کو شرکت کی منظوری یا دعوت نامہ مل چکا ہے اور کسی وجہ سے آپ کی شرکت مشکوک نظر آتی ہو تو فوراً بذریعہ تار مطلع کریں تاکہ آپ کی نشست کسی اور کو دی جاسکے۔

Institute Of Muslim Ummah Affairs,

Milli Parliament Building,

4/1176-D, New Sir Syed Nagar, Aligarh-202002. Tel & Fax (0571) 400182

اب ترکی کی فضاؤں میں اسرائیلی طیارے چہل قدمی اور فضائی جاسوسی کریں گے

امریکہ نے ایران عراق کو پابہ زنجیر کرنے کے لئے ترکی اور اسرائیل میں معاہدہ کروا دیا

سب سے پہلے یہ خبر تقریباً دو ماہ قبل ایران سے آئی کی ترکی اور اسرائیل کے درمیان ایک خفیہ فوجی معاہدہ ہوا ہے۔ بعد میں خفیہ معاہدہ علی الاعلان سامنے آگیا۔ مسلم دنیا حیرت زدہ رہ گئی۔ آئیے دیکھیں کہ ترکی، اسرائیل فوجی معاہدے کے پیچھے کارفرما عوامل اور اس کے مضمرات کیا ہیں؟

دراصل یہ معاہدہ امریکہ کی ایران، عراق اور کسی حد تک شام کو آگے بڑھنے سے روکنے کی پالیسی کا آئینہ دار ہے۔ یہ معاہدہ بڑے خفیہ انداز میں ۱۸ فروری کو عمل میں آیا اور اس کے کچھ ہی دنوں بعد اسرائیلی جہازوں نے ترکی میں مشقیں کیں۔ اس معاہدے کے ذریعے دونوں ملکوں کی فضائیہ کے درمیان تعاون پر زور دیا گیا ہے۔ پہلی بار اسرائیلی جہاز ترکی کی فضائی سہولتوں کو استعمال کریں گے۔ دونوں ملکوں کی فضائی فوجیں مشترکہ مشقیں بھی کریں گی۔ اسی کے ساتھ اسرائیل ترکی میں فضائی جاسوسی کا نظام بھی قائم کرے گا جس سے وہ شام اور ایران کے بارے میں اہم معلومات جمع کرے گا۔ یہ فضائی جاسوسی نظام ترکی کی اس کی کردوں کے خلاف جنگ میں بھی مدد دے گا۔

اس معاہدے کے مطابق دونوں ملکوں کے جاسوسی اداروں میں تعاون کے لیے ایک سیکورٹی فورم بھی قائم ہو گا۔

ادھر کی تفصیلات سے واضح ہوتا ہے کہ اس معاہدے کا مقصد محض اسرائیلی جہازوں کو مشق کے لیے وسیع فضا میں فراہم کرنا نہیں ہے جیسا کہ اسرائیل اور امریکہ کہتے ہیں۔ دراصل یہ ترکی، اسرائیلی فوجی تعاون کی ایک کڑی ہے۔ اس تعاون کا آغاز بہت پہلے ہوا۔ ترکی نے امریکی کمپنیوں کو نظر انداز کر کے اسرائیل سے ۶ سو ملین ڈالر کا ایک معاہدہ کیا ہے جس کے مطابق آخر الذکر ترکی کے امریکی ہتھیاروں کی جدید کاری کا کام انجام دے گا۔ ترکی اسرائیل سے ۵۰ ملین ڈالر کے ہتھیار بھی خریدے گا جن میں پوٹی جیسے جدید میزائل بھی شامل ہیں۔

اتنی بات واضح ہے کہ اس معاہدے سے ترکی کی یہ نسبت اسرائیل کو زیادہ فائدہ پہونچے گا۔ ترکی پیسے دے کر جو کام اسرائیل سے لے رہا ہے

جاسوسی کے لیے استعمال کرے گا۔ ترکی کی فضاؤں میں وہ محض اپنے پائلٹوں کی تربیت نہ کرے گا بلکہ ضرورت پڑنے پر وہاں سے ایران و شام کے خلاف حملے بھی کر سکتا ہے۔

اس معاہدے سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ترکی کی مغربی ایشیا کی پالیسی میں زبردست تبدیلی آئی ہے۔ اب تک ترکی پالیسی چار نکات پر مشتمل تھی۔ اول عرب کا زکی حمایت، دوم عرب تنازعات میں غیر جانب داری برتنا، سوم اسرائیل سے کم سے کم تعلقات اور چہارم عرب ممالک سے صنعت و تجارت اور تکنالوجی کے میدانوں میں زیادہ سے زیادہ تعاون کرنا۔ چنانچہ ان پالیسیوں کے تحت ترکی نے اقوام متحدہ میں ہمیشہ عربوں کا ساتھ دیا۔ ۱۹۷۵ء میں اس نے اس قرارداد کی حمایت کی جس کے ذریعہ صیونیت کو نسل

اسی طرح ترکی نیو تنظیم کا پہلا ملک تھا جس نے آزاد فلسطینی ریاست کو تسلیم کیا۔ جب ۱۹۸۳ میں پی۔ این۔ سی نے فلسطین کے ایک آزاد مملکت ہونے کا اعلان کیا۔ اس پس منظر میں دیکھا جائے تو ترکی کا اسرائیل سے حالیہ فوجی معاہدہ اس کی مغربی ایشیا کی پالیسی میں زبردست تبدیلی کا حامل ہے۔

اس معاہدے کا اولین مقصد تو وہی ہے جس کا اوپر ذکر ہوا، یعنی ایران اور عراق کو کنٹرول کرنے کی امریکی خواہش کی تکمیل کرنا۔ لیکن اس کے ذریعے ترکی بعض فوائد بھی حاصل کرنا چاہتا ہے۔ ترکی کے بعض مبصرین نے کہا ہے کہ یہ دراصل شام کے یونان کے ساتھ معاہدے کا جواب ہے۔ حالانکہ غور کیا جائے تو شام۔ یونان سیکورٹی معاہدہ بہت محدود ہے اور اس سے یونان کو ترکی کے خلاف کوئی فائدہ نہیں پہونچتا جب کہ ترکی۔ اسرائیل معاہدے کا مقصد ہی بعض مسلم ممالک کے خلاف محاذ آرائی ہے۔ دراصل ترکی اس معاہدے کے ذریعہ امریکہ میں طاقتور یہودی لابی کا تعاون

ہو کر اس کی خدمت کی گئی ہے۔ ترکی نے اسی طرح عربوں کی خواہش کے مطابق پی این سی نے آزاد فلسطینی ریاست کو تسلیم کیا۔ جب ۱۹۸۳ میں پی۔ این۔ سی نے فلسطین کے ایک آزاد مملکت ہونے کا اعلان کیا۔ اس پس منظر میں دیکھا جائے تو ترکی کا اسرائیل سے حالیہ فوجی معاہدہ اس کی مغربی ایشیا کی پالیسی میں زبردست تبدیلی کا حامل ہے۔

اس معاہدے کا اولین مقصد تو وہی ہے جس کا اوپر ذکر ہوا، یعنی ایران اور عراق کو کنٹرول کرنے کی امریکی خواہش کی تکمیل کرنا۔ لیکن اس کے ذریعے ترکی بعض فوائد بھی حاصل کرنا چاہتا ہے۔ ترکی کے بعض مبصرین نے کہا ہے کہ یہ دراصل شام کے یونان کے ساتھ معاہدے کا جواب ہے۔ حالانکہ غور کیا جائے تو شام۔ یونان سیکورٹی معاہدہ بہت محدود ہے اور اس سے یونان کو ترکی کے خلاف کوئی فائدہ نہیں پہونچتا جب کہ ترکی۔ اسرائیل معاہدے کا مقصد ہی بعض مسلم ممالک کے خلاف محاذ آرائی ہے۔ دراصل ترکی اس معاہدے کے ذریعہ امریکہ میں طاقتور یہودی لابی کا تعاون



☆ تاترو سیر چندر ہمنادوں کے ساتھ

اوکو فلسطینیوں کا واحد نمائندہ بھی تسلیم کیا، حالانکہ اس سے اس کے اردن سے تعلقات میں سرد مہری بھی آئی۔ واضح رہے کہ اردن عرب دنیا میں ترکی سے ہمیشہ سب سے قریب رہا ہے۔ اکتوبر ۱۹۷۹ء میں ترکی حکومت نے پی این سی کو اپنے یہاں اپنا آفس کھولنے کی اجازت دی۔ اس کے چھ ماہ بعد جب اسرائیل نے مشرقی یروشلم کو اسرائیل کا حصہ قرار دیا تو ترکی نے اس کی مذمت کی اور تل ابیب سے اپنے سفارتی امور کے انچارج کو واپس بلا لیا۔

پہلی بار اسرائیلی جہاز ترکی کی فضائی سہولتوں کو استعمال کریں گے۔ دونوں ملکوں کی فضائی فوجیں مشترکہ مشقیں بھی کریں گی۔ اسی کے ساتھ اسرائیل ترکی میں فضائی جاسوسی کا نظام بھی قائم کرے گا جس سے وہ شام اور ایران کے بارے میں اہم معلومات جمع کرے گا۔ یہ فضائی جاسوسی نظام ترکی کی اس کی کردوں کے خلاف جنگ میں بھی مدد دے گا۔

وہ امریکی کمپنیاں بھی کر سکتی ہیں۔ لیکن اسرائیل ترکی کی فضاؤں کو دو مسلم ممالک کے خلاف

پاکستان کرپشن کے دلدل میں گلے گلے تک ڈوبا ہوا ہے

پاکستان کی سماجی۔ سرکاری۔ عدالتی و تجارتی خرابیوں کو تہہ در تہہ کھولنے والی ایک سچویشن رپورٹ

امریکہ کے بارے میں "سچویشن رپورٹس" یعنی موجودہ حالات کے بارے میں رپورٹیں شائع کرتے رہتے ہیں۔ ان کے مقاصد موقع و محل کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں۔ اکثر ایسے مطالعات بڑے بڑے تاجر گھرانے بھی اپنے مقاصد کے پیش نظر کرتے ہیں۔ مدعا یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ فلاں ملک میں سرمایہ کاری ہر اعتبار سے مفید ہوگی یا نہیں۔ ایسے تاجر گھرانے مطالعہ کرنے یا رپورٹ تیار کرنے والوں سے تین چیزوں پر خاص طور سے توجہ دینے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اول ملک کا سیاسی استحکام، معیشت کچھان تک فری یا کھلی ہونی ہے اور اس میں بیوروکریسی کا رول کیا ہے اور تیسرے یہ کہ عدالت کس حد تک آزاد ہے۔ رپورٹ تیار کرنے والے بعض دوسرے ضمنی معاملات کو بھی زیر بحث لاتے ہیں مثلاً ٹریڈ یونین اور انسانی حقوق وغیرہ۔

حال ہی میں ایک ایسے ہی امریکی ادارے "فریڈم ہاؤس" نے پاکستان کے بارے میں ایک سچویشن رپورٹ شائع کی ہے جو تھوڑی بہت میں ایسے بہت سے ادارے کام کرتے ہیں جو مختلف ممالک کے بارے میں "سچویشن رپورٹس" یعنی موجودہ حالات کے بارے میں رپورٹیں شائع کرتے رہتے ہیں۔ ان کے مقاصد موقع و محل کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں۔ اکثر ایسے مطالعات بڑے بڑے تاجر گھرانے بھی اپنے مقاصد کے پیش نظر کرتے ہیں۔ مدعا یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ فلاں ملک میں سرمایہ کاری ہر اعتبار سے مفید ہوگی یا نہیں۔ ایسے تاجر گھرانے مطالعہ کرنے یا رپورٹ تیار کرنے والوں سے تین چیزوں پر خاص طور سے توجہ دینے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اول ملک کا سیاسی استحکام، معیشت کچھان تک فری یا کھلی ہونی ہے اور اس میں بیوروکریسی کا رول کیا ہے اور تیسرے یہ کہ عدالت کس حد تک آزاد ہے۔ رپورٹ تیار کرنے والے بعض دوسرے ضمنی معاملات کو بھی زیر بحث لاتے ہیں مثلاً ٹریڈ یونین اور انسانی حقوق وغیرہ۔

جانب داری کے باوجود بڑی چشم کشا ہے۔ اس رپورٹ کے مطابق پورے پاکستان کی دولت اندازاً پانچ سو خاندانوں میں سمٹی ہوئی ہے۔ یہ خاندان بڑے بڑے زمینداروں اور صنعت کاروں کے ہیں جن کے کافی سیاسی اثرات ہیں۔ اس رپورٹ یا جائزے کے مطابق کرپشن پاکستانی سماج کے ہر شعبے میں پھیلا ہوا ہے اور کوئی بھی تجارتی معاملہ رشوت اور دوسری ایسی خرابیوں سے شاید ہی پاک ہوتا ہو۔ اس جائزے میں بے نظیر حکومت پر یہ کہہ کر تنقید کی گئی ہے کہ یہ صرف اپنے مخالفین کے تجارتی معاملات کی تفتیش کراتی ہے۔ جائزے میں یہ اعتراف کیا گیا ہے کہ نجی سرمایہ کاری کی ہر معاشی شعبے میں اجازت ہے لیکن عملاً ایسا کرنا کافی دشوار ہے کیونکہ بیوروکریسی ہر قدم پر رکاوٹیں کھڑی کرتی

ہے تاکہ متوقع سرمایہ کاروں سے روپیہ اینڈ کے تجارتی معاملات اور معاہدات میں رشوت اور

ذرا حکومت کراچی کی صورت حال پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ کراچی میں امن و امان کی بہتری کی وجہ سے باہری سرمایہ کاری پر اثر پڑا ہے۔ کراچی کے مزدور یا نوکری پیشہ افراد میں سے اوسطاً تین فیصد کسی بھی دن غیر حاضر ہوتے ہیں۔ کراچی میں زبردستی پیسہ وصول کرنے کی بیماری بھی عام ہے۔

فریڈم ہاؤس کے جائزے میں پاکستان کے عدالتی نظام کی خرابیوں پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس جائزے کے مطابق کرپشن عدالتی نظام میں بھی سرایت کر گیا ہے۔ دراصل عدالتی نظام کمزور ہے، بے اثر اور رجسٹری کا نظام ناقص ہے جس کی وجہ سے زمین وغیرہ کی ملکیت کا تحفظ غیر یقینی ہے۔ چنانچہ نیا بزنس شروع کرنا

ایک کارے وارڈ ہے اور قدم قدم پر دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ خاص طور سے سرمایہ جمع کرنا سب سے مشکل ہوتا ہے۔

حقوق انسانی کی پامالی پاکستان میں عام ہے۔ اگرچہ بندھوا مزدوری کو ختم کرنے کا ایکٹ ۱۹۹۲ میں پاس ہو گیا تھا مگر اس کی تفسیر پر خاص طور سے صوبوں میں، توجہ نہیں دی گئی ہے۔ کم از کم ایک زمیندار کے بارے میں پتہ چلا تھا کہ اس کی اپنی جیل ہے جہاں بندھوا مزدوروں کو رکھا جاتا اور ان سے کام لیا جاتا ہے۔ جائزے کے مطابق ایسی دوسری جیلوں کے وجود سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ ٹریڈ یونین یوں تو ہر سطح پر پائی جاتی ہے لیکن یہ حکومت کے مقابلے میں بہت کمزور ہے۔ خاص طور سے ان کی قانونی حیثیت بہت مستحکم نہیں ہے۔ چنانچہ مزدوروں کے حقوق محفوظ نہیں رکھے جاسکتے۔

پاکستان میں نجی کاری اور معیشت کی آزادی کا سلسلہ ۱۹۸۰ء کی دہائی میں ہی شروع ہو گیا تھا جسے بے نظیر نے اپنے حالیہ دور اقتدار میں آگے بڑھانے کی بھی کوشش کی ہے۔ ۱۹۹۳ میں



☆ کراچی کی ایک سڑک پر فوجیوں کا گشت

اقربا پروری کا اصل رول ہوتا ہے۔ دراصل حکومت کے ٹھیکے وغیرہ بالعموم انہیں لوگوں کو ملنے میں جن کے ارباب اقتدار سے تعلقات اچھے یا جن کا اثر و رسوخ کافی ہے۔

جائزے میں پاکستان کے معاشی

کیا اب بنگلہ دیش ہندوستان کے زیر اثر آجائے گا



ہندوستان کے زیر اثر آجائے گا

دیش میں اثر بڑھ جائے گا۔ انہوں نے جماعت کو نظر انداز کر کے بی این پی کو ووٹ دیا کیونکہ وہ جماعت کی بہ نسبت بڑی پارٹی تھی اور اس کے برسر اقتدار آنے کی امید زیادہ تھی۔

دوسری وجہ یہ رہی کہ پہلی بار بنگلہ دیش میں اسلام کے نام پر کئی پارٹیاں انتخابی میدان میں اتریں۔ نسیم نسرن مخالف مہم میں صرف جماعت ہی نہیں ائمہ مساجد اور مختلف مسکلوں سے وابستہ علماء بھی تھے۔ یہ لوگ جماعت کی آئینہ یا بوجی سے متفق نہیں ہیں۔ بلکہ اکثر اپنی تگ و دو کی وجہ سے نام نہاد سیکولر قوتوں کو برداشت کر لیتے ہیں لیکن جماعت کے ساتھ تعاون سے بھی گریز کرتے ہیں۔

ان علماء و ائمہ مساجد نے اپنا ایک متحدہ اسلامی محاذ بنالیا تھا جو اپنے پرچم کے تحت انتخاب لڑ رہا تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اسلام پسندوں کا ووٹ بٹ گیا اور بی دراصل جماعت اور محاذ دونوں کی ناقص کارکردگی کا موجب بنا۔

انتخابات بہر حال ہو چکے ہیں۔ ۲۰ سیٹوں کے نتائج جلد آجائیں گے۔ اگر ان میں سے

جماعت کی کارکردگی اس بار پہلے سے زیادہ بہتر ہوگی۔ اول تو یہ کہ پہلی بار جماعت نے تمام تین سو حلقوں سے اپنے امیدوار کھڑے کیے تھے۔ دوسرے یہ کہ خالدہ ضیاء حکومت کے خلاف وہ مستقلاً اپوزیشن کے ساتھ رہی تھی۔ تیسرے یہ کہ نسیم نسرن اور رشیدی وغیرہ کے معاملے کو لے کر جماعت نے عوام سے رابطے کی بھرپور مہمیں چلائی تھیں۔ بالعموم جماعت کی ریلیوں میں زبردست

دلوں ہونے والے بنگلہ دیش کے پارلیمانی انتخابات کے تین سو میں سے ۲۰۳ سیٹوں کے لیے تاج کا اعلان ہو چکا ہے۔ بقیہ ۲۰ سیٹوں کے لیے ان پولنگ اسٹیشنوں پر دوبارہ دو ٹوٹ ہوگی جہاں تشدد یا دوسری کسی خرابی کی وجہ سے الیکشن رد کر دیا گیا تھا۔ اعلان شدہ نتیجے کے مطابق بنگلہ دیش کی آزادی کے لیڈر شیخ مجیب الرحمن کی صاحبزادی

اس غریب ملک میں مسائل کی کمی نہیں ہے اور کسی بھی اپوزیشن پارٹی کے پاس ایسے مسائل ہوتے ہیں جنہیں لے کر وہ سرکوں پر آ سکتی ہے جہاں پولیس و مظاہرین کے درمیان تصادم ہو سکتا ہے یا کسی دوسری وجہ سے تشدد پھوٹ سکتا ہے۔

حسینہ واجد کی عوامی لیگ کو ۱۳۳ سیٹیں ملی ہیں اور یہ سب سے بڑی پارٹی بن کر ابھری ہے۔ ایک آزاد امیدوار نے عوامی لیگ میں شمولیت اختیار کر لی ہے جس سے اب اس کے منتخب ممبروں کی تعداد برسر ۱۳۳ ہو گئی ہے۔ خالدہ ضیاء بی بی این پی یا بنگلہ دیش نیشنلسٹ پارٹی کو صرف ۱۰۳ سیٹیں ملی ہیں جبکہ جیل میں بند حسین محمد ارشاد کی جاتیہ پارٹی کو ۲۹ اور جماعت اسلامی کو توقعات کے برعکس صرف دو سیٹیں ملی ہیں۔ واضح رہے کہ تحلیل شدہ اسمبلی میں جماعت کے کل ۲۰ ممبران پارلیمنٹ تھے۔ جماعت کی اس خراب کارکردگی کے اسباب پر ہم ذرا بعد میں روشنی ڈالیں گے۔

بنگلہ دیش اپنی آزادی کے بعد ہی سے مختلف سیاسی بحرانوں سے گزر رہا ہے۔ حالیہ انتخاب بھی ایک بحران ہی کا نتیجہ ہے۔ خالدہ ضیاء حکومت کے خلاف حسینہ واجد کے ساتھ دوسری تمام پارٹیوں نے اس امر کے لیے مہم چلائی تھی کہ انتخاب کوئی غیر جانبدار حکومت کرے۔ اس مسئلے کو لے کر مہینوں بنگلہ دیش میں سڑکوں پر ہوتی رہیں۔ خالدہ ضیاء نے پہلے تو اس مطالبے کو رد کر دیا۔ لیکن بعد میں اس پر راضی ہو گئیں۔ چنانچہ اب یہ انتخاب غیر جانبدار حکومت کی نگرانی ہی میں ہوئے ہیں۔ غیر ملکی مبصرین کے بقول انتخابات آزادانہ و منصفانہ رہے جبکہ بی این پی اور جاتیہ پارٹی کے بارے میں امیدواروں کے بقول عوامی لیگ نے بڑے پیمانے پر دھاندلی کی۔ اس کا سبب یہ تھا کہ شاید اب خالدہ ضیاء چھ مہینوں کے بعد بنگلہ دیش میں دوبارہ کھڑی ہوگی جو اس انتخاب سے قبل تک حسینہ واجد کرتی رہیں یعنی سڑکوں کا ایک نیا سلسلہ۔ اس غریب ملک میں مسائل کی کمی نہیں ہے اور کسی بھی اپوزیشن پارٹی کے پاس ایسے مسائل ہوتے ہیں جنہیں لے کر وہ سرکوں پر آ سکتی ہے جہاں پولیس و مظاہرین کے درمیان تصادم ہو سکتا ہے یا کسی دوسری وجہ سے تشدد پھوٹ سکتا ہے۔

حالیہ انتخابات کے نتائج کا سب سے چوکنا دینے والا پہلو جماعت اسلامی کی خراب کارکردگی ہے۔ تمام ہی مبصرین کی متفقہ رائے تھی کہ

مختلف سیاسی بحرانوں سے گزر رہا ہے۔ حالیہ انتخاب بھی ایک بحران ہی کا نتیجہ ہے۔ خالدہ ضیاء حکومت کے خلاف حسینہ واجد کے ساتھ دوسری تمام پارٹیوں نے اس امر کے لیے مہم چلائی تھی کہ انتخاب کوئی غیر جانبدار حکومت کرے۔ اس مسئلے کو لے کر مہینوں بنگلہ دیش میں سڑکوں پر ہوتی رہیں۔ خالدہ ضیاء نے پہلے تو اس مطالبے کو رد کر دیا۔ لیکن بعد میں اس پر راضی ہو گئیں۔ چنانچہ اب یہ انتخاب غیر جانبدار حکومت کی نگرانی ہی میں ہوئے ہیں۔ غیر ملکی مبصرین کے بقول انتخابات آزادانہ و منصفانہ رہے جبکہ بی این پی اور جاتیہ پارٹی کے بارے میں امیدواروں کے بقول عوامی لیگ نے بڑے پیمانے پر دھاندلی کی۔ اس کا سبب یہ تھا کہ شاید اب خالدہ ضیاء چھ مہینوں کے بعد بنگلہ دیش میں دوبارہ کھڑی ہوگی جو اس انتخاب سے قبل تک حسینہ واجد کرتی رہیں یعنی سڑکوں کا ایک نیا سلسلہ۔ اس غریب ملک میں مسائل کی کمی نہیں ہے اور کسی بھی اپوزیشن پارٹی کے پاس ایسے مسائل ہوتے ہیں جنہیں لے کر وہ سرکوں پر آ سکتی ہے جہاں پولیس و مظاہرین کے درمیان تصادم ہو سکتا ہے یا کسی دوسری وجہ سے تشدد پھوٹ سکتا ہے۔

کے خلاف حسینہ واجد، خالدہ ضیاء اور جماعت تینوں نے مہم چلائی تھی۔ لیکن اس کے بعد جو انتخابات ہوئے اس میں کامیابی بی این پی کو ملی۔ بی این پی حکومت نے ارشاد کے خلاف کرپشن کا مقدمہ چلایا اور انہیں جیل ہو گئی۔ فی الحال ارشاد نے صدر بسواس کی تجویز رد کر دی ہے کہ وہ پیرول پر بندہ دلوں کے لیے رہا ہو جائیں۔ عوامی لیگ کی حکومت بننا تقریباً طے ہے۔ اگر ایسا ہوتا ہے تو شیخ مجیب الرحمن کے قتل کے بعد وہ اور ان کی پارٹی پہلی بار برسر اقتدار آئیں گی۔ شیخ حسینہ کے سامنے زبردست مسائل ہوں گے۔ اب یہ وقت ہی بتائے گا کہ وہ ان سے کس طرح نبرد آزما ہوتی ہیں۔

بات طے ہے کہ حکومت عوامی لیگ ہی کی بنے گی کیونکہ جاتیہ پارٹی جس کے ایوان میں ۲۹ ممبران ہیں، نے عوامی لیگ کی غیر مشروط حمایت کا اعلان کیا ہے۔ لیکن باخبر حلقوں کے مطابق یہ

پہلی بار بنگلہ دیش میں اسلام کے نام پر کئی پارٹیاں انتخابی میدان میں اتریں۔ نسیم نسرن مخالف مہم میں صرف جماعت ہی نہیں ائمہ مساجد اور مختلف مسکلوں سے وابستہ علماء بھی تھے۔ ان علماء و ائمہ مساجد نے اپنا ایک متحدہ اسلامی محاذ بنالیا تھا جو اپنے پرچم کے تحت انتخاب لڑ رہا تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اسلام پسندوں کا ووٹ بٹ گیا اور بی دراصل جماعت اور محاذ دونوں کی ناقص کارکردگی کا موجب بنا۔

۱۰ سیٹیں عوامی لیگ کو مل جاتی ہیں تو اپنے بل پر حکومت بنانے کی پوزیشن میں ہوگی۔ بہر کیف اتنی

حکومت بنانے کی پوزیشن میں ہوگی۔ بہر کیف اتنی

۱۰ سیٹیں عوامی لیگ کو مل جاتی ہیں تو اپنے بل پر حکومت بنانے کی پوزیشن میں ہوگی۔ بہر کیف اتنی

حکومت بنانے کی پوزیشن میں ہوگی۔ بہر کیف اتنی

فوجی تو بے داغ چھوٹ جائیں گے مگر

عائشہ کی عصمت پر لگے داغ کا کیا ہو گا؟

تینیات ہوئی ہے ایسے واقعات ہوتے رہتے ہیں اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ شادی شدہ بھی اور بعض غیر شادی شدہ خواتین بھی فوجیوں کا گناہ اپنے پیٹوں میں پالنے پر مجبور ہیں۔ لیکن پولیس ایسے واقعات کی ایف آئی آر درج نہیں کرتی۔ شاید اسے ایسا کرنے سے منع کیا گیا ہے یا پولیس ایسے واقعات کی پشت پناہی کرتی ہے۔ مذکورہ واقعہ میں چار جوانوں نے عائشہ کے ساتھ مزہ کالاکیا لیکن حرمت میں صرف ایک جوان کو لیا گیا ہے اور وہ بھی پوچھ گچھ کے لیے۔ ظاہر ہے اس کا نتیجہ یہی نکلتے گا کہ وہ جوان چھوٹ جائے گا۔ کیونکہ عائشہ کا الزام ثابت نہیں ہو پائے گا وہ کسی کی گواہی نہیں پیش کر پائے گی۔ لہذا وہ فوجی جوان اور اس کے دوسرے ساتھی تو بے داغ چھوٹ جائیں گے لیکن جو داغ عائشہ کی زندگی پر لگ گیا ہے وہ کیسے چھوٹے گا؟ کیا اس کا بھی کوئی علاج پولیس، فوج یا حکومت کے پاس ہے؟

افسران اس واقعہ کی تحقیقات کر رہے ہیں۔ پولیس خود اس بات کا اعتراف کرتی ہے کہ فوجیوں کی عصمت پر لگے داغ کا کیا ہو گا؟

فوجی جوان جو کہ عزت و ناموس کے رکھوالے ہوتے ہیں دونوں خواتین کی طرف دوڑ پڑے۔ ڈری سہمی خواتین بھاگنے لگیں مگر عائشہ ان کے چنگل میں پھنس گئی۔ لاکھ کوشش کے باوجود وہ ان کی گرفت سے آزاد نہ ہو سکی اور پھر فوجی جوانوں نے اس کی چادر عصمت تار تار کر دی۔ یکے بعد دیگرے چار فوجیوں نے اس کے ساتھ زنا بالجبر کیا اور اب وہ مظلوم اس رسوائی کا کلنک اپنی پیشانی پر لگائے جینے پر مجبور ہے۔

کانفرنس نے اس واقعہ کے خلاف ایک دن کی مڑتال رکھی۔ اب پولیس نے ایک فوجی کو حرمت میں لیا ہے اور حلقے کے سول اور پولیس

کشیگی پھیل گئی اور لوگ احتجاج کرنے نکل پڑے۔ مسلسل دو دنوں کے احتجاج کے بعد پولیس ایف آئی آر درج کرنے پر تیار ہوئی۔ حالانکہ اسے ایف آئی آر درج کرنے میں ہڑپاؤں و پیش تھا۔ لیکن احتجاج کے آگے اسے جھکنا پڑا۔ حریت

فوجی جوان جو کہ عزت و ناموس کے رکھوالے ہوتے ہیں دونوں خواتین کی طرف دوڑ پڑے۔ ڈری سہمی خواتین بھاگنے لگیں مگر عائشہ ان کے چنگل میں پھنس گئی۔ لاکھ کوشش کے باوجود وہ ان کی گرفت سے آزاد نہ ہو سکی اور پھر فوجی جوانوں نے اس کی چادر عصمت تار تار کر دی۔ یکے بعد دیگرے چار فوجیوں نے اس کے ساتھ زنا بالجبر کیا اور اب وہ مظلوم اس رسوائی کا کلنک اپنی پیشانی پر لگائے جینے پر مجبور ہے۔

کانفرنس نے اس واقعہ کے خلاف ایک دن کی مڑتال رکھی۔ اب پولیس نے ایک فوجی کو حرمت میں لیا ہے اور حلقے کے سول اور پولیس

کشمیری لڑکی عائشہ ایک دوسری خاتون کے ساتھ کواڑہ ضلع کے لنگیت قصبہ میں اپنے کھیت میں کام کر رہی تھی۔ فوج کی ایک ٹکڑی نے جو کہ معمول کی گشت پر نکلی ہوئی تھی ان دونوں کو دیکھا اور ان کی حیوانیت بیدار ہو گئی۔ فوجی جوان جو کہ عزت و ناموس کے رکھوالے ہوتے ہیں دونوں خواتین کی طرف دوڑ پڑے۔ ڈری سہمی خواتین بھاگنے لگیں مگر عائشہ ان کے چنگل میں پھنس گئی۔ لاکھ کوشش کے باوجود وہ ان کی گرفت سے آزاد نہ ہو سکی اور پھر فوجی جوانوں نے اس کی چادر عصمت تار تار کر دی۔ یکے بعد دیگرے چار فوجیوں نے اس کے ساتھ زنا بالجبر کیا اور اب وہ مظلوم اس رسوائی کا کلنک اپنی پیشانی پر لگائے جینے پر مجبور ہے۔

کشمیری لڑکی عائشہ ایک دوسری خاتون کے ساتھ کواڑہ ضلع کے لنگیت قصبہ میں اپنے کھیت میں کام کر رہی تھی۔ فوج کی ایک ٹکڑی نے جو کہ معمول کی گشت پر نکلی ہوئی تھی ان دونوں کو دیکھا اور ان کی حیوانیت بیدار ہو گئی۔ فوجی جوان جو کہ عزت و ناموس کے رکھوالے ہوتے ہیں دونوں خواتین کی طرف دوڑ پڑے۔ ڈری سہمی خواتین بھاگنے لگیں مگر عائشہ ان کے چنگل میں پھنس گئی۔ لاکھ کوشش کے باوجود وہ ان کی گرفت سے آزاد نہ ہو سکی اور پھر فوجی جوانوں نے اس کی چادر عصمت تار تار کر دی۔ یکے بعد دیگرے چار فوجیوں نے اس کے ساتھ زنا بالجبر کیا اور اب وہ مظلوم اس رسوائی کا کلنک اپنی پیشانی پر لگائے جینے پر مجبور ہے۔

مذکورہ واقعہ علاقہ کے باشندوں کے بیانات پر مبنی ہے۔ اس واقعہ کی خبر پچھلے ہی علاقے میں

کشمیری لڑکی عائشہ ایک دوسری خاتون کے ساتھ کواڑہ ضلع کے لنگیت قصبہ میں اپنے کھیت میں کام کر رہی تھی۔ فوج کی ایک ٹکڑی نے جو کہ معمول کی گشت پر نکلی ہوئی تھی ان دونوں کو دیکھا اور ان کی حیوانیت بیدار ہو گئی۔ فوجی جوان جو کہ عزت و ناموس کے رکھوالے ہوتے ہیں دونوں خواتین کی طرف دوڑ پڑے۔ ڈری سہمی خواتین بھاگنے لگیں مگر عائشہ ان کے چنگل میں پھنس گئی۔ لاکھ کوشش کے باوجود وہ ان کی گرفت سے آزاد نہ ہو سکی اور پھر فوجی جوانوں نے اس کی چادر عصمت تار تار کر دی۔ یکے بعد دیگرے چار فوجیوں نے اس کے ساتھ زنا بالجبر کیا اور اب وہ مظلوم اس رسوائی کا کلنک اپنی پیشانی پر لگائے جینے پر مجبور ہے۔

مذکورہ واقعہ علاقہ کے باشندوں کے بیانات پر مبنی ہے۔ اس واقعہ کی خبر پچھلے ہی علاقے میں

سرحد پار کرتے ہی اس کی عصمت دری ہوئی اور پھر کوٹھے کی زینت بنادی گئی

ملازمت کی لالچ میں سادہ لوح خواتین آسانی سے مجرموں کے ہتھے چڑھ جاتی ہیں

مغربی یورپ میں جبریہ جسم فروشی کی عبرتناک داستان

ایسا لگا جیسے اسے اس کے

خوابوں کی تعبیر مل گئی ہے

گریزیانا، ایک تیس سالہ مطلقہ پولینڈ کی رہنے والی ہے۔ اسے پچھلے دنوں جب ایک ایجنسی نے خبر دی کہ جرمنی کے ایک ریٹائرمنٹ میں اسے ۸ سو پاؤنڈ ماہانہ پر نوکری مل سکتی ہے تو اس کی خوشیوں کی کوئی انتہاء تھی۔ اس نے سوچا کہ بالآخر وہ استحکام کے گی کہ اپنے دونوں بچوں کی اچھی طرح پرورش کر سکے۔ لیکن کچھ ہی دنوں بعد اسے پتہ چلا کہ خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا۔

جیسے ہی گریزیانا سرحد پار کر کے جرمنی میں داخل ہوئی، اس کے ساتھ کچھ لوگوں نے زنا بالجبر کیا اور پھر اس سے کہا کہ اسے ایک طوائف کی حیثیت سے کام کرنا ہوگا۔ یہ ایک ڈراؤنے خواب کی ابتدا تھی۔ گریزیانا کو دراصل ۱۲ سو پاؤنڈ کے عوض فروخت کر دیا گیا تھا۔ اس کے بعد اسے جرمنی کے بجائے ہالینڈ لے جایا گیا جہاں اسے ملک کے ایک بدنام زمانہ طوائف خانے میں جسم فروشی پر مجبور کیا گیا۔ وہ وہاں سے فرار ہوتی لیکن مجرموں نے اسے تلاش کر لیا اور پھر اسی طوائف خانے میں گھنٹاؤں عمل پر مجبور کیا۔ گریزیانا نے بعد میں اپنے تجربات بتاتے ہوئے کہا: میں دہشت زدہ تھی۔ اگر میں زیادہ نہ کھاتی تو مجھے مارا جاتا۔ وہ سر پر ضربیں لگاتے یا پیٹتے پر لالت مارتے۔ انہوں نے مجھے بندوقیں دکھائیں اور کہا کہ اگر میں نے تعاون نہیں کیا تو وہ مجھے مار کر میرے مردہ جسم کو کسی نہریں بہا دیں گے جہاں مجھے کوئی پہچان بھی نہیں پائے گا۔

آج گریزیانا بظاہر آزاد ہے اور ہالینڈ میں پناہ کی طالب ہے۔ گریزیانا کا معاملہ کوئی استثنائی معاملہ نہیں ہے۔ یورپی پولیس کا کہنا ہے کہ ایسی ہزاروں عورتیں مشرقی یورپ سے ہٹا پھسلا کر لائی جاتی ہیں اور پھر انہیں جسم فروشی پر مجبور کر دیا جاتا ہے۔ یہ ایک طرح سے نئے انداز کی غلاموں کی تجارت ہے، سفید فام غلاموں کی تجارت۔

ماہرین کا خیال ہے کہ یہ محض پولس کا معاملہ نہیں ہے جسے آپ سرحد بند کر کے حل کر سکتے ہیں۔ سچ یہ ہے کہ یورپ کے اکثر ممالک میں طوائف خانے کے لیے لڑکیاں زبردستی حاصل کرنا کوئی بہت بڑا جرم نہیں ہے۔ مثلاً سویڈن میں اگر کوئی ڈرگ لے جاتے ہوئے پکڑا جاتا ہے تو اسے ۱۰ سے ۱۲ سال قید کی سزا ہوتی ہے لیکن جو لوگ جسم فروشی کے لیے عورتوں کی اسمگلنگ کرتے ہیں انہیں ایک یا دو سال کی سزا ملتی ہے۔

مغربی یورپ میں جسم فروشی کے لیے مشرقی یورپ سے عورتیں اسمگل کرنے والے افراد بہت منظم ہیں۔ مشرقی یورپ کے دلال، مغربی یورپ کے بعدماشوں کے تعاون سے کام کرتے ہیں۔ یہ لوگ بالعموم دارسا، پراگ اور بڑا پیسٹ کے نائٹ کلبوں میں گھوما کرتے ہیں اور جہاں کوئی اپنے مقصد کے لائق عورت نظر آتی اس پر ڈورے ڈالتا شروع کر دیتے ہیں۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ لوگ مقامی اخبارات میں جھوٹی

نوکریوں کا اشتہار دیتے ہیں اور اس طرح عورتوں کو مغرب میں لاکر فروخت کر دیتے ہیں۔ حال ہی میں پولینڈ میں پولیس نے ایک شخص کو گرفتار کیا ہے جس نے ۲ سو عورتیں ہالینڈ اور جرمنی ارسال کی تھیں جن میں سے کچھ تو ۱۶ سال سے کم عمر کی تھیں۔ اندازہ ہے کہ ان سب کو جسم فروشی پر مجبور کیا گیا ہے۔

اکثر لڑکیاں جو ایسے مجرموں کے ہتھے چڑھتی ہیں، معاشی طور پر پریشان اور بھولی بھالی ہوتی ہیں۔ ان میں سے بعض کو علم ہوتا ہے کہ انہیں طوائف کے طور پر

کام کرنا ہوگا۔ لیکن انہیں بھی یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ انتہائی بری حالت میں انہیں کام کرنا پڑے گا یا یہ کہ ان کی آزادی چھین لی جائے گی۔ اکثر کو یہ کہہ کر مغربی یورپ لایا جاتا ہے کہ وہاں انہیں ڈانسر یا ماڈل کے طور پر کام کرنا ہوگا لیکن ان کے ساتھ زنا بالجبر کیا جاتا، ان کی پٹائی کی جاتی اور کسی طوائف خانے کی کال کوٹھری میں جسم فروشی کرنے پر مجبور کر دیا جاتا ہے۔

یوکرین کی ایک ۱۹ سالہ عورت جو اس جنجال میں پھنس گئی ہے اور جس کا نام اولگا ہے کہتی ہے کہ اسے ایک اچھی نوکری کے بہانے لایا گیا

اور پھر طوائف خانے میں ڈال دیا گیا۔ اسے روزانہ ۱۸ گاہوں کو خوش کرنا ہوتا ہے۔ وہ کہتی ہے: "میں اپنی آنکھیں بند کر لیتی ہوں اور تکلیف کو بھول جانے کی کوشش کرتی ہوں۔ یہ ظاہر کرنے کی کوشش کرتی ہوں کہ میں اس سے لطف اندوز



ہو رہی ہوں اور ہمیشہ خود سے یہ کہتی ہوں کہ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ میں نے بار بار سوچا کہ یہاں سے چھوڑ کر چلی جاؤں لیکن ہر بار میرا بس متالینا ہے۔"

اولگا نے مزید کہا: "ہر گاہک کو میں ۲۰ منٹ دیتی ہوں اور اس کے لیے مجھے ۳۰ پاؤنڈ ملتا ہے۔ اس میں سے ۱۰ طوائف خانے کے مالک کو ۱۰ میرے روسی دلال کو ملتے ہیں۔ اور میں جس کمرے میں چار لڑکیوں کے ساتھ رہتی ہوں اس کا روزانہ کرایہ ۵۰ پاؤنڈ ہے۔ آپ مجھے سے کیا چاہتے ہیں؟ کیا میں پولیس کے پاس جاؤں؟ میرے پاس اس

کام کو جاری رکھنے کے علاوہ کوئی راستہ نہیں ہے۔ ایسا نہیں کہ روس، یوکرین، اور مشرقی یورپ کے ملکوں میں لوگوں کو اب یہ معلوم نہیں ہے کہ ان کی عورتوں کو ہٹا پھسلا کر مغربی یورپ لے جا کر طوائف بنادیا جاتا ہے۔ عوام اور حکومت سب کو معلوم ہے اور بہت ساری کمپنیاں بھی عورتوں کو باخبر کرنے کے لیے قائم ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ایسی خواتین کی کمی نہیں ہے جو رضا کارانہ طور پر اس کام کے لیے مغربی یورپ جانا چاہتی ہیں۔ چنانچہ بیوں میں بھر بھر کر عورتیں جرمنی

اور ہالینڈ وغیرہ جارہی ہیں۔ اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ خود ان کے ممالک کی معاشی حالت انتہائی اتر چکی ہے اور گھٹانے پیشے سے بھی انہیں جو تھوڑا بہت ملتا ہے، وہ ان کے تصور سے کہیں زیادہ ہے۔ سو اس اخلاق باختہ پیشے میں سب کو زبردستی نہیں داخل کیا گیا ہے۔ بعض رضا کارانہ بھی داخل ہوتی ہیں تاکہ اپنی معاشی حالت سدھار سکیں۔ اس اخلاقی دیوالیے پن کا ذمہ دار کون ہے؟ غریب مشرق یا امیر مغرب یا وہ ذہنیت جو اخلاق و مذہب کو پس پشت ڈال کر اسی دنیا کے عیش و عشرت کو سب کچھ سمجھ بیٹھی ہے۔

بقیہ: فرینچ اوپن ٹینس کھیل اور حسن کا دلنویز سنگم

مشہور کھلاڑی اسٹیفن ایڈبرگ کے لیے یہ آخری فرینچ اوپن تھا۔ وہ اس گیمینٹ سلم کے علاوہ باقی تین یعنی آسٹریلین اوپن، ویمنز اوپن امریکن اوپن جیت چکے ہیں۔ وہ کئی ماہ تک نمبر ایک کھلاڑی بھی رہے۔ لیکن گذشتہ چند سالوں سے ان کا کھیل زوال پذیر تھا چنانچہ اب انہوں نے ریٹائرمنٹ کا فیصلہ لے لیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب وہ چوتھے رائنڈ میں ہار کر کورٹ سے باہر جا رہے تھے تو تماشاچیوں نے کھڑے ہو کر تالیوں کی گونگاہٹ میں انہیں الوداع کہا۔ بعد میں اخبار نویسوں سے بات کرتے ہوئے ایڈبرگ نے کہا کہ "میری زندگی ٹینس کے بعد آسان ہے۔ میں اپنے بچوں اور بیوی کا زیادہ خیال رکھوں گا اور ان کے ساتھ مزہ وقت گزاروں گا۔"

میں کافل نیکوف سے ہار گئے۔ وہ دراصل کافی تھکے ہوئے تھے۔ اس سے قبل وہ کئی پانچ سیٹ کے میچ بمکوریئر اور ٹاڈ مارٹن کے خلاف کھیل چکے تھے۔ سچ یہ ہے کہ کافل نیکوف کے خلاف کھیلنے کے لیے جس جسمانی چستی اور ذہنی بیداری کی ضرورت تھی وہ کئی طویل میچ کھیلنے کے بعد ان کے پاس نہ رہی تھی۔ پھر بھی انہوں نے کافی اچھا کھیل پیش کیا۔

سابق نمبر ایک خاتون کھلاڑی مونیکا سیلس لوگوں کی توقعات پر پوری نہیں اتریں۔ لوگوں کو توقع تھی کہ اس بار فائل سیلس اور گراف کے درمیان ہوگا مگر ایسا نہیں ہوا۔ دراصل اب خاتون ٹینس میں بھی پہلے سے زیادہ مقابلہ پایا جاتا ہے اور اچھے سے اچھے کھلاڑی کو بھی کسی بھی دن مٹھ کی کھانی پڑ سکتی ہے۔

بقیہ: سیاستدان مسلم ووٹ کی خاطر فرقہ واریت کو زندہ رکھنا چاہتے ہیں

طاری رہے کہ بی بی سی کو اپنے موقف میں کوئی تبدیلی لانے کا موقع نہ دیا جائے۔ ان کے خیال میں بی بی سی اپنے فرقہ وارانہ موقف سے نہیں ہٹ سکتی لیکن کانگریس کی بدعنوانی اور لالو پرساد اور ملائم سنگھ کی ذات پات کی تفریق کے تمام دھبے وقت آنے پر چشم زدن میں دھوئے جاسکتے ہیں۔ اگر یہ دو غلام نہیں ہوتے تو بایں بازو کے کامیڈ اسے کیا نام دیں گے؟ شاید ان کی لغت میں اسی کو سیکولرازم کہتے ہیں۔ آج ہمارے ملک میں بہتات ایسے ہی عناصر کی ہے جو اقتدار کے بھوکے ہیں اور سیکولرازم کو اپنے گناہوں کی پناہ گاہ بناتے ہیں اس یقین کے ساتھ کہ مذہب کی بنیاد پر رائے دہندگان کو یکجا کر لیں گے اور ملک ہمیشہ فرقہ واریت کی بھینٹ چڑھتا رہے گا۔ ☆

بقیہ: پاکستان کرپشن کے دلدل میں ڈوبا ہوا ہے

خاص طور سے پریشان ہے۔ کیونکہ مغرب اس وقت پوری دنیا کو سرمایہ داری کی پلیٹ میں لے کر امیر تر سے امیر ترین ہونے کے فکر میں ہے۔ فریڈم ہاؤس کی پاکستان کے بارے میں رپورٹ شائع کرنے کا مقصد بھی یہی ہے کہ مغرب کے تاجروں کے ذہن میں دنیا کو ایک اپنی تابعدار منڈی بنانے کی جو اسکیم ہے اس میں پاکستان بھال فٹ ہوتا ہے اور اس ضمن میں انہیں ابھی اور کیا اقدامات کرنے ہیں کا جائزہ لیا جائے۔

پاکستان حکومت انٹرنیشنل مونیٹری فنڈ کے ساتھ Structural Adjustment سے متعلق ایک معاہدہ کیا تھا جس سے پرائیویٹ سیکٹر اور تجارت کی رکاوٹوں میں کمی ہونی ہے اور ریاست کی ملکیت والی صنعتوں کو نجی ہاتھوں میں بھی دیا گیا ہے۔ تاہم شرح زر میں زبردست اضافے، فصلوں کے کم آنے، بجٹ میں کمی واقع ہو جانے سے طرح طرح کے مسائل پیدا ہوتے ہیں جن سے ملکی معیشت کو زبردست حضرات لاحق ہیں۔ اسی کے ساتھ معاشی اصلاحات کے مستقبل پر سوالیہ نشان لگ گیا ہے۔ یہ وہ پہلو ہے جس سے مغرب

بقیہ: اب ترکی کی فسادوں میں اسرائیلی طیارے کی چہل قدمی

کے تعلقات خراب ہوں گے ۱۰ امریکی یہودی لابی نے اس قرارداد کو پاس نہیں ہونے دیا تھا۔ ترکی اب یہ امید کر رہا ہے کہ یہودی لابی ایک بار پھر اس کی مدد یوں کر سکتی ہے کہ وہ یونان نواز امریکی پالیسی کو تبدیل کرانے میں اس کی مدد کرے۔ یہ وقت ہی بتائے گا کہ ترکی کو اپنے اس مقصد میں کہاں تک کامیابی حاصل ہوتی ہے۔

حاصل کرنا چاہتا ہے تاکہ قبرص کے معاملے میں وہ یونان نواز امریکی پالیسی کو تبدیل کر سکے۔ ۱۹۹۰ میں یہ یہودی لابی ترکی کے اس وقت کام آتی تھی جب امریکی کانگریس میں بیسویں صدی کے آغاز میں آرمینیوں کے قتل عام پر ترکی کی مذمت کے لیے ایک قرارداد پیش ہونے والی تھی۔ اسرائیل کے یہ کہنے کے بعد کہ اس سے ان دونوں ممالک

بقیہ: جرمن فئبال کو کامیابی کی بلندیوں پر پہنچا دیا ہے

جب کسی ٹیم کی تربیت سائنسی طرز پر ہونے کے ساتھ ساتھ عقیدے سے بھی وابستہ ہو تو اسے آسانی بلندیوں کو چھونے سے کون روک سکتا ہے؟

گول کرنے والے کرٹین زیگی کا کہنا ہے کہ جو شخص اس تعویذ پر یقین رکھتا ہے اللہ اس کی قسمت چمکا دیتا ہے اور مجھے "چشم اللہ" پر کامل یقین ہے یہی وجہ ہے کہ پہلا گول میں نے ہی کیا ہے۔

شکل کا ہے اور اس کا فریم سونے کا ہے۔ کئی تعویذ ترکی سے لایا ہے اور اس نے تمام کھلاڑیوں میں یہ تعویذ تقسیم کیے ہیں حتیٰ کہ کوچ اور ٹیم اسٹاف کو بھی یہ تعویذ دیے گئے ہیں۔ چیک جمہوریہ کے خلاف پہلے ہی میچ میں جرمنی کی طرف سے پہلا

یورپا کی تلخی نے نرسمہ راؤ۔ رام لکھن یادو اور ان کے اقرباء کے منہ کا مزہ خراب کر دیا ہے

کیا سی بی آئی کی تحقیقات راؤ کو جیل تک لے جائیں گی؟

کوئی اکاؤنٹ ان کے بینک میں نہیں ہے اس لیے وہ اس رقم کو قبول نہیں کر سکتے۔ جب اسٹیٹ بینک آف انڈیا نے اس صورتحال سے این ایف



☆ نرسمہ راؤ کا بیٹا پر بھاکر راؤ

ایل کو آگاہ کیا تو کارسن کے ہندوستانی نمائندے ایم سامبیا راؤ نے بھاکر کوئی مسئلہ نہیں ہے۔

باقی صفحہ ۱۳ پر

نے ایڈوانس روپیہ دینے میں جلد بازی کا مظاہرہ شروع کر دیا۔ کارسن سے کوئی گارنٹی یا کریڈٹ لیٹر لیے بغیر صرف دو قسطوں میں سارا روپیہ جمع کر دیا گیا۔

یکم نومبر کو حتی طور پر ٹینڈر کھولا گیا اور کارسن کو ٹھیکہ دینے کا فیصلہ کیا گیا اور اس ضمن میں ۹ نومبر کو معاہدہ ہوا۔ لیکن ٹینڈر کھولنے کے ۲۳ گھنٹے کے اندر ہی یعنی ۲ نومبر کو یا یوں کہیے کہ تفصیلی معاہدے سے ایک ہفتے قبل ہی ایڈوانس رقم کارسن کو دے دی گئی۔ یکم نومبر کو کل قیمت کا ایک فیصد یعنی ۳ لاکھ ۸۰ ہزار ڈالر کی رقم اسٹیٹ بینک آف انڈیا کی نیویارک برانچ سے کارسن کو دی گئی۔

بقیہ رقم جو ۳۶ ملین ڈالر سے زیادہ تھی ۱۳ نومبر کو ادا کر دی گئی۔ یہ ساری رقم انقرہ میں واقع اموک بینک کے کارسن اکاؤنٹ میں جمع ہوئی تھی

گذشتہ جنوری میں اموک بینک نے ایس بی آئی کی نیویارک برانچ کو لکھا کہ کارسن کمپنی کا

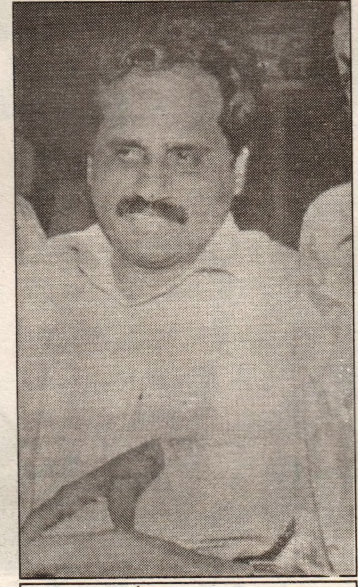
۳۱ اکتوبر کو سارے ٹنڈر کی جانچ پڑتال ہوئی اور ماہرین کی رائے تھی کہ ترکی کی کارسن

اکسپورٹنگ کمپنی ہی واحد کمپنی ہے جسے ٹنڈر نہیں دیا جاسکتا کیونکہ اس کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں تھیں اور نہ ہی اس سے امید تھی کہ وہ مطلوبہ قسم کا یورپا فراہم کر سکتی ہے۔ لیکن ماہرین کی اس رائے کے باوجود کارسن کے حوصلے نہیں ٹوٹے۔

اس نے اپنے ریسٹ میں خاطر خواہ کچی کر دی اور جب یکم نومبر کو سارے ٹنڈر دوبارہ کھولے گئے تو کارسن کو یورپا درآمد کرنے کا ٹھیکہ دے دیا گیا، کیونکہ بظاہر اس نے سب سے کم قیمت پر کھاد فراہم کرنے کی ہمت کی تھی۔

چنانچہ ۹ نومبر کو اس ضمن میں کارسن اور نیشنل فرنٹلر لمیٹڈ (این ایف ایل) کے درمیان ایک معاہدہ ہو گیا۔ ابھی معاہدے کی تفصیلات طے ہونا باقی تھیں کہ این ایف ایل

جائزہ کام کرنا چاہتے ہیں تو ہیورڈ کرلیسی ہزار دھاریاں پیدا کرتی ہے۔ فائل کو ایک میز سے دوسری میز یا بفل کے کمرے تک سفر کرنے میں



☆ سبساہو راؤ سی بی آئی کی گرفت میں

مہینوں لگ جاتے ہیں لیکن جہاں کرپٹ لوگ ملوث ہوں یا حکومت کے پیسے کو کچھ لوگ لوٹنے کا پروگرام بنارہے ہیں تو ہیورڈ کرلیسی بڑی تیزی سے آگے بڑھاتے ہیں۔ یورپا گھوٹالے میں کچھ ایسا ہی ہوا۔

گذشتہ سال تیس اکتوبر کو یکمیکل اور فرٹلائر منسٹری نے اپنا سب سے بڑا ٹنڈر کھولا۔ یہ ٹنڈر ملک میں یورپا کی کچی کو پورا کرنے کے لیے ۲ لاکھ ٹن، یورپا درآمد کرنے سے متعلق تھا۔ کل ۱۳ افراد نے

نرسمہ راؤ کی کانگریس حکومت ایوان اقتدار سے باہر آچکی ہے لیکن اس کے اسکیڈل میں اس کا سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔ نیا اسکیڈل یورپا کھاد درآمد کرنے سے متعلق ہے جس میں ۱۳ کروڑ روپے کا گھپلا ہوا ہے۔ اب تک تمام گھوٹالوں میں یہ گھوٹالہ کئی اعتبار سے بے مثال ہے۔

راؤ کے دور میں جو مختلف گھوٹالے ہوئے ان میں راؤ کا بھی نام ہے اور ایک میں تو ان کے خلاف ایف آئی آر بھی درج ہے۔ کیا راؤ کے خلاف کوئی کارروائی ہو سکتی ہے اور انہیں جیل بھیجا جاسکتا ہے؟ ابھی اس سوال کا کوئی جواب دینا قبل از وقت ہو گا لیکن حالات راؤ کے خلاف ہی جا رہے ہیں۔

نرسمہ راؤ کی حکومت میں لبرلائزیشن اور کرپشن ہم معنی الفاظ بن گئے۔ کبھی شکر کی خرید و فروخت کا گھوٹالہ، کبھی انڈون بنگلی پروجیکٹ میں رشوت لینے کا معاملہ، کبھی حوالہ کیس تو کبھی یورپا گھوٹالہ یا تھار کھنڈ میروں کو رشوت دینے کا معاملہ۔ انڈون بنگلی پروجیکٹ میں راؤ کا نام بھی ہے۔ سب سے بڑا گرو گھٹالہ تھا جو جادو کی طرح سر پر چڑھ کر بولتا رہا۔

یورپا گھوٹالہ کو چھوڑ کر سارے گھوٹالوں میں پیچیدہ راستے اختیار کیے گئے تھے تاکہ مجرموں کے فرار کے راستے باقی رہیں یا وہ آسانی سے پکڑ نہ آسکیں۔ لیکن یورپا گھٹالہ کا معاملہ دن دھاڑے ڈکیتی جیسا ہے۔ ہمارے ملک میں اگر آپ کوئی

راؤ حکومت یا گھوٹالوں کا زریں دور

پیرس ڈول پمپ کا لائسنس بھی شامل ہے اور سب سے زیادہ فائدہ سمبیا راؤ کو ہوا۔ یاد رہے کہ سمبیا راؤ یورپا گھوٹالے میں ملوث ہے اور اسی کے بیان پر رام لکھن یادو کے بیٹے اور راؤ کے بیٹے راجیشور راؤ کے سالے کو گرفتار کیا گیا ہے اور راؤ کے دوسرے بیٹے سے پوچھ گچھ ہو رہی ہے۔

لکھو بھائی پامٹک:۔ امریکہ میں ایک غیر مقیم ہندوستانی لکھو بھائی پامٹک کے دائرہ کار کے تحت کیس پر گذشتہ دونوں چندرا سوامی اور کیلاش اگر وال عرف ماما جی کی گرفتاری ہوئی ہے۔ پامٹک نے ایک انٹرویو میں بتایا ہے کہ جس وقت چندرا سوامی نے اس سے ایک لاکھ ڈالر ٹھکا تھا اس وقت نرسمہ راؤ بھی موجود تھے۔ راؤ نے چندرا سوامی کے سیاسی اثر و رسوخ کی تصدیق کی تھی اور سوامی کے اس دعوے کی بھی تصدیق کی تھی کہ وہ پامٹک کو دوسرے کاری ٹھیکے دلوا دے گا۔

یورپا:۔ یہ تازہ ترین اسکیڈل ہے اور اس پر تفصیل سے روشنی ڈالی جا رہی ہے۔ اس میں راؤ کے بیٹے اور شری دار بھی ملوث ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ ان تمام اسکیڈل میں سے کیا کسی میں راؤ کے خلاف کوئی کارروائی ہوگی یا وہ یوں ہی آزاد رہیں گے۔

کہ ہر شد مت کا الزام بے بنیاد ہے۔ اس سلسلے میں چھان بین چل رہی ہے۔

حوالہ گھوٹالہ:۔ حوالہ اسکیڈل کے اصل ملزم ایس کے جین نے مارچ ۹۵ میں الزام لگایا کہ اس نے نرسمہ راؤ کو دو قسطوں میں دو کروڑ چالیس لاکھ روپے دیے ہیں۔ پہلی قسط آڑ کے دھون اور دوسری قسط چندرا سوامی اور ستیش شرما کے ذریعہ دی گئی۔ اس معاملے میں بھی راؤ کے خلاف کوئی کارروائی نہیں ہو سکی۔

جے ایم ایم رشوت کیس:۔ جولائی ۱۹۹۳ میں جب راؤ حکومت کے خلاف تحریک عدم اعتماد پارلیمنٹ میں پیش کی گئی تو تھار کھنڈ مکتی مورچہ کے شیلڈر متو نے حکومت کے حق میں ووٹ دیا۔ بعد میں سپریم کورٹ میں ایک معاملہ درج کیا گیا اور شیلڈر متو نے بتایا کہ ان کو راؤ کی طرف سے رشوت دی گئی تھی تاکہ وہ حکومت کے حق میں ووٹ دیں۔ سپریم کورٹ کی ہدایت پر اس سلسلے میں ایف آئی آر درج کی گئی ہے اور اس میں راؤ کا بھی نام شامل ہے۔

پیرس ڈول پمپ کیس:۔ راؤ پر یہ بھی الزام ہے کہ ان کے دفتر سے حیدر آباد میں کچھ لوگوں کو بہت زیادہ فائدہ پہنچایا گیا جس میں

یہ نرسمہ راؤ کے دوسرے بیٹے پر بھاکر راؤ کی ہے۔ پر بھاکر راؤ اور ایک شیر دلال ہتھن دلال کے درمیان دو کروڑ روپے کا ایک سودا ہوا تھا۔ آندھرا بینک فنانسینشل سروس لمیٹڈ کے ذریعے یہ رقم ادا کی گئی۔

اس سلسلے میں انکوائری چل رہی ہے۔

ہر شد مت:۔ بدنام زمانہ شیر اسکیڈل میں نرسمہ راؤ کا نام اس وقت سامنے آیا جب اس اسکیڈل کے کلیدی کردار ہر شد مت نے سی بی آئی کی تفتیش کے دوران الزام لگایا کہ اس نے نرسمہ راؤ کو دو بڑے بڑے سوٹ کیسوں میں بھر کر ایک کروڑ روپے بطور رشوت دیے ہیں اس واقعے کے منظر عام پر آتے ہی کانگریسوں نے ایک روز نامہ تیار کیا اور اس سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی

میں دی پی سنگھ کے بیٹے کا کھاتہ ہے جس میں دی پی سنگھ کے پیسے جمع ہیں۔ اس کی کاغذی دستاویزیں بھی اخباروں میں شائع ہوئی تھیں۔ بعد میں پتہ چلا کہ یہ سارا کھیل چار سو بیسی پر بنی تھا اور



ان کاغذات پر دی پی سنگھ کے جعلی دستخط کیے گئے تھے اور اس کے پیچھے اس وقت کے وزیر خارجہ نرسمہ راؤ اور چندرا سوامی کا ہاتھ تھا

گولڈ اسٹار:۔ آندھرا پردیش میں ایک کمپنی ہے جس کا نام ہے گولڈ اسٹار اسٹیل لمیٹڈ۔

سابق وزیر اعظم نرسمہ راؤ کے دور حکومت کو اسکیڈل اور

گھوٹالوں کا زریں دور کہا جائے تو شاید بجا نہ ہو گا۔ کسی بھی حکومت میں نہ تو اتنے گھپلے ہوئے جتنے راؤ حکومت میں ہوئے اور نہ ہی کسی وزیر اعظم کا نام گھپلوں میں اس طرح ملوث پایا گیا جیسا نرسمہ راؤ کا۔ پھر بھی نرسمہ راؤ کے خلاف ابھی تک کوئی تحقیقات نہیں ہوئی اور نہ ہی کوئی کارروائی ہوئی ہے۔ البتہ تھار کھنڈ مکتی مورچہ کے ممبر پارلیمنٹ کو رشوت دینے کے کیس میں ان کے خلاف ضرور ایف آئی آر درج ہوئی ہے۔ اب جب کہ وہ اقتدار سے باہر ہیں، اب بھی قانون کے شکنجوں سے دور ہیں۔ ذیل میں ان مختلف گھوٹالوں کا ہلکا سا تعارف پیش کیا جا رہا ہے جن میں راؤ کا نام ملوث ہے۔

سینٹ کٹس:۔ ۱۹۸۹ میں جب راجیو گاندھی کی حکومت تھی اور دی پی سنگھ بوفورس اسکیڈل کے نام پر حکومت کو پریشانی میں مبتلا کیے ہوئے تھے تو سینٹ کٹس نام کا ایک معاملہ سامنے آیا۔ جس میں دی پی سنگھ اور ان کے تاثر بیٹے اے سنگھ کو ملوث دکھایا گیا۔ اس گھوٹالے میں بتایا گیا کہ ایک غیر ملکی بینک فرسٹ کارپوریشن بینک

پاکستان پر قبضہ کر کے ہندوستان ایک دن اکھنڈ بھارت بن جائے گا

گوڈ سے خاندان کی دیوانگی سے بی بی جے پی کی دوغلی پالیسی کا رشتہ

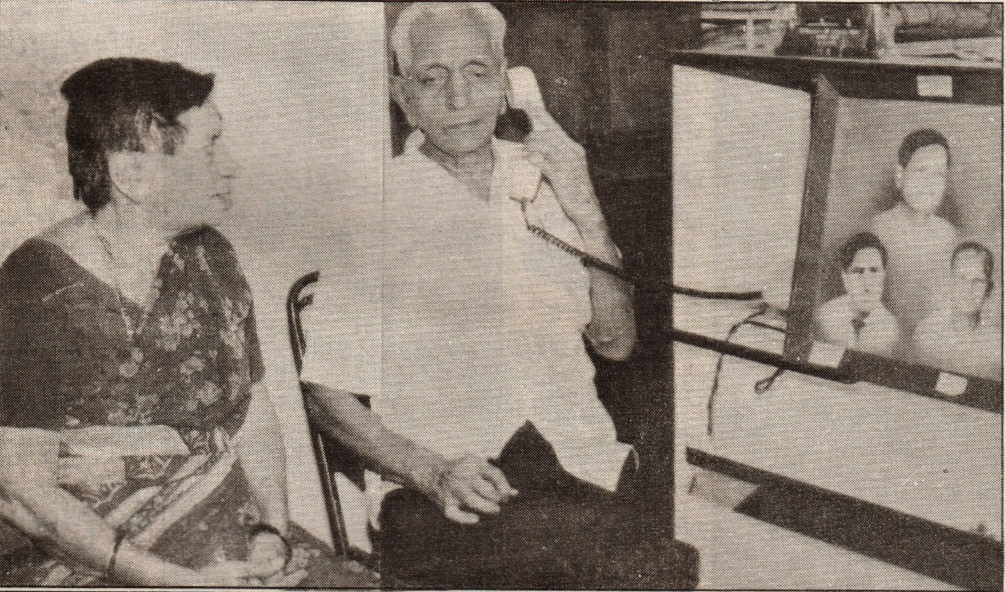
جب کہ باجپئی نے ممبئی میں بیان دیا کہ بی بی جے پی کا اس تقریب سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ لیکن ہندو مہاسا کے سابق صدر وکرم سادکر کا کہنا ہے کہ "بی جے پی دراصل دوہری پالیسی رکھتی ہے۔ اس کے لیڈر جو کہتے ہیں مطلب اس کے برعکس ہوتا ہے اور وہ جو کہنا اور کرنا چاہتے ہیں بیان اس کے لٹا دیتے ہیں۔" ظاہر ہے کہ بی جے پی کو ہندو مہاسا یا آر ایس ایس کے علاوہ بہتر ڈھنگ سے کون جان سکتا ہے؟ سادکر نے یہ بتا کر بی جے پی کے رخ سے نقلی نقاب کھینچ دی ہے۔ وہ بی جے پی جو ابھی گذشتہ دنوں تک مرکز میں حکومت پانے کے لیے

لیکن شرد پوار نے یہ کہہ کر ان لوگوں کی قلمی کھول دی کہ ان کے ہونٹوں پر رام مگر دل میں ناتھورام

بی میں کوئی فرق نہیں ہے۔ لیکن ۱۹۹۱ کے اسمبلی الیکشن میں بی جے پی کے ایک امیدوار کے حلقے

ویر سادکر کا بھتیجہ وکرم سادکر بھی اسی امید میں جی رہا ہے کیونکہ وہ بھی گاندھی کے قتل کی

سازش میں شریک تھا البتہ اس کے رول کی تصدیق نہیں ہو سکی۔ یکم جون کو پونے میں ہندو مہاسا کے حلقے میں گوپال گوڈ سے نے اپنے خیالات کا اظہار کیا اور کہا کہ "گاندھی کی زندگی کا ایک ایک دن ہندوستان کے لیے نقصان دہ تھا وہ ایسا بوجھ تھا جسے ختم ہو جانا ہی چاہئے تھا۔ وہ بابائے قوم تھا لیکن ملک کو تقسیم کرنے کا ذمہ دار بھی وہی تھا۔"



گوپال گوڈ سے اپنی بیوی اور ناتھورام گوڈ سے کی تصویروں کے ساتھ

سیکولر ہو گئی تھی اور ہندو تو کے تمام موضوعات کو اس نے ترک کر دیا تھا۔ لیکن سادکر کے بیان کی روشنی میں دیکھیں تو حقیقت اپنے آپ سامنے آ جاتی ہے۔

یکم جون کی تقریب میں بھی شیوسینا اور بی جے پی کے لیڈروں کو مدعو کیا گیا تھا۔ شیوسینا کے ممبران نے کہا کہ ہم ذاتی طور پر اس میں شریک ہونے تھے اور ٹھاکرے اس کو برا نہیں مانتے۔

میں بال ٹھاکرے نے ناتھورام گوڈ سے کی ستائش کی اور اس کی "خدمات" کا اعتراف کیا تو بی جے پی نے فوری طور پر خود کو اس بیان سے لائق کر لیا اور کہا کہ ہمارا اس سے کوئی سروکار نہیں ہے۔

لوگ ایک ہی تھیلے کے چنے بٹے ہیں لیکن ہندوستانی سیاست کی محجوروں کے پیش نظر یہ لوگ علیحدہ علیحدہ پلیٹ فارم سے اپنی بات کہہ رہے ہیں۔ بنیادی طور پر ہندو مہاسا اور بی جے

یہ خاندان ہے گاندھی کے قاتل ناتھورام گوڈ سے کے بھائی گوپال گوڈ سے کا۔ جو کہ گاندھی کے قتل کی سازش میں ۱۳ برس کی جیل کاٹ چکا ہے اور ہندو مہاسا کے حلقے میں جس کی زبردست پذیرائی ہے۔ ہندو مہاسا کے نظریہ ساز

اسے مت پڑھے

بولتے۔ بیس فیصد لوگ اعتراف کرتے ہیں کہ ان کا کوئی بھی دن دیدہ و دانستہ سفید جھوٹ بولے بغیر نہیں گزرتا۔ سفید جھوٹ، سیاہ جھوٹ اور بڑی بڑی ڈسٹنگل، یہ سب امریکی روایت کا حصہ ہیں لیکن بغول کیل فوری نیویورک کے ماہر سماجیات ایلن ڈنڈل حال میں یہ روایت کچھ زیادہ ہی بلندی کی طرف مائل پرواز رہی ہے۔

جارج واشنگٹن اس اعلان سے صدر منتخب ہو گئے کہ انہوں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ جی کارٹر نے جب یہ سوال پوچھا گیا تو انہوں نے کوئی جواب ہی نہیں دیا اور بل کلنٹن کا دعویٰ ہے کہ جھوٹ بولنا تو درکنار انہوں نے اسے اپنی سانس کے ذریعہ بھی اندر نہیں کیا ہے۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ لوگ اب پہلے سے زیادہ جھوٹ، غلط بیانی اور مبالغہ آرائی کے قاتل ہو گئے ہیں۔ اب تو لوگ اپنے بچوں کو بھی جھوٹ بولنے کی ہمت افزائی کرتے ہیں خاص طور سے جب وہ ان کی جاوید تالیفیں کرتے ہیں۔ "تم بڑے عظیم ہو" یہ عام سماجی جملہ ہے جو بلا سوچے سمجھے ہر ایک کے بارے میں کہا جاتا ہے۔ ماضی میں لوگ جھوٹ بولنا اخلاقاً غلط تصور کرتے تھے مگر آج ۳۵ فیصد امریکی ایسا نہیں سوچتے۔ غالباً یہ وجہ ہے کہ آج امریکی سماج کے ہر شعبے جھوٹ، غلط بیانی، حقائق پر پردہ پوشی، بجا تعریف اور مبالغہ آمیزی فیشن یا وبا کی طرح پھیل گئی ہے۔ یہ فیشن ہے اگر آپ جھوٹ بولنا غلط نہیں سمجھتے اور یہ دبا ہے اگر غلط بیانی آپ کے نزدیک ایک اخلاقی برائی ہے

جیوٹیس فیرینا اینڈ فیرینا، امریکی شہر مین ہٹن میں واقع ایک اشتہارات کی ایجنسی ہے۔ حال ہی میں اس کے صدر اور انتظامی امور کے چیف جارج فیرینا نے اعتراف کیا ہے کہ جب ۲۳ سال قبل وہ اپنی بیوی کو رام کرنے یا شادی کے لیے راہ پر لانے کی کوشش کر رہے تھے تو انہوں نے اس سے کہا تھا کہ ان کا بیچ کا نام الگون کوئن ہے۔ اسی طرح ان کے دوسرے متعلقین کا درمیانی نام ایرو کوئیس، ڈوگنا اور موباک ہے۔ "اس طرح میں خود کو اپنی ہونے والی بیوی کے سامنے زیادہ دلچسپ بنانے کی کوشش کر رہا تھا۔ فیرینا نے کہا۔ چچا یہ ہے کہ مذکورہ القاب میں کوئی بھی صحیح نہیں ہے اور جانتے کے بعد میری بیوی نے اس کی اچھی قیمت وصول کی ہے۔ وہ جب بھی کسی معاملے میں یا میری کسی بات پر شبہ کرتی ہے تو پوچھتی ہے ڈارلنگ یہ الگون کوئن تو نہیں ہے؟

اس معاملے میں فیرینا تنہا نہیں ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ۹۰ فیصد امریکیوں نے ہوائی جازوں پر رہنویوں سے ملاقات کے دوران غلط فون نمبر دیا یا اپنی شخصیت سے متعلق غلط اطلاعات دی ہیں۔ یہ بات اس وقت منظر عام پر آئی جب ایک کتاب جس کا نام ہے "کیا آپ نارمل ہیں" کے لیے ایک قوی سروے کیا گیا۔ اس سے یہ بھی پتا چلا کہ اس ملک میں جہاں جارج واشنگٹن کی ایمانداری کی قسمیں کھانی جاتی ہیں ۹۱ فیصد لوگوں کو اعتراف ہے کہ وہ ہمیشہ سچ نہیں

نظام حیدر آباد اپنی سابقہ بیوی سے ہار گئے تو دیوالیہ ہو جائیں گے

کافی ہنگامہ مچایا اور نتیجے میں نظام نے اسے طلاق دے دی، لیکن دوسرے معاہدوں پر انہوں نے

حیدر آباد کی تیسری بیوی مانولویا اور نے

حیدر آباد کی عدالت میں نظام کے خلاف مقدمہ قائم کر دیا ہے۔ ان کا مطالبہ ہے کہ انہیں اور ان کی پانچ سالہ بیٹی نیلوفر کو نان نفقہ دیا جائے اور چران پیلس اور اوٹی کے سیٹھ پیلس کا اسٹیشن کو برقرار رکھا جائے اور ان کے اور پرنس کرم جاہ کے درمیان ہوئے معاہدے کے بموجب ان دونوں عمارتوں کا حق ملکیت انہیں دیا جائے۔ عدالت نے پرنس کرم جاہ کے وکیل سے کہا ہے کہ اس تنازعہ سے متعلق تمام کاغذات جو خاندانی عدالت میں ہونی کارروائی سے متعلق ہیں۔ عدالت میں پیش کئے جائیں اور جب تک یہ معاملہ زیر سماعت ہے ان دونوں عمارتوں کو جوں کا توں رکھا جائے اور ان میں سے ایک بھی شے ادھر سے ادھر نہ ہو۔ مانولویا اور نے ترکی کی باشندہ ہیں۔ وہ دو بار ترکی کی خوبصورت ترین دوشیزہ یعنی مس ترکی رہ چکی ہیں انہیں یہ فخر بھی حاصل ہے کہ انہوں نے عالمی خواتین کانفرنس میں پہلی بار ترکی کی نمائندگی کی تھی۔ ان کی شادی پرنس کرم جاہ سے ۱۹۹۰ میں ہوئی تھی۔ ان کا کہنا ہے کہ جس وقت یہ شادی ہوئی تھی پرنس دوسری بیوی کی ایڈز سے موت کے سبب بہت پریشان تھے۔ انہیں یہ نہیں معلوم تھا کہ یہ پہلے بھی دوشادیاں کر چکے ہیں۔ شادی کے وقت جو معاہدے ہوئے تھے ان پر انہوں نے عمل نہیں کیا اور معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ایک اور شادی کر لی



مانولویا اور نظام حیدر آباد کے ساتھ

مکرموں کو بند کرنے کا حکم دیا لیکن نظام کی درخواست پر چند مکرموں کو کھولنے کی اجازت دے دی۔ تاج گروپ آف ہوٹل کے ہاتھوں اپنے دو پیس نظام پہلے ہی گنوا چکے ہیں۔ اب ایسا لگتا ہے کہ یہ دونوں محل بھی ان کے قبضے سے نکل جائیں گے۔ اس طرح نظام حیدر آباد دیوالیہ ہونے کی دہلیز پر پہنچ گئے ہیں۔

عمل نہیں کیا۔ خاندانی ذرائع کا کہنا ہے کہ مانولویا استنبول میں تھیں کہ اس وقت ۹۳ میں نظام نے انہیں طلاق دیدی تھی۔ لیکن انہوں نے ۱۹۹۵ میں اس سے رجوع کر لیا تھا۔ لیکن اس سال انہوں نے ایک معاہدہ کر کے انہیں پھر طلاق دے دی معاہدہ یہ تھا کہ مانولویا کو پرنس کی موت کے بعد مہر کی رقم

8 ملی ٹائمز انٹرنیشنل

پوری دنیا پر جادو گری اور سحر طرازی کی متوازی حکومت قائم ہے

سیاست - تجارت - محبت اور کھیل کے میدانوں میں ٹونے ٹونے کی کار فرمائی کی حیرت انگیز داستان

خواہشات انسان کو اندھا کر دیتی ہیں۔ دوسروں کو نقصان پہنچا کر بھی وہ ان کی تکمیل کرنا چاہتا ہے۔ اس کے لیے دعا تعویذ، ٹونا ٹونکا، سحر اور سفلی اعمال سے بھی باز نہیں رہتا۔ یہ رجحان لوگوں کے کسی ایک طبقہ تک ہی محدود نہیں بلکہ ایک طالب علم کے زور سے دوسرے طالب علم پر سبقت پانا چاہتا ہے تو کھلاڑیوں کی ایک ٹیم اپنی حریف ٹیم کو شکست دیتی ہے۔ یہی نہیں بلکہ اہل فن اور اہل سیاست یعنی مصوروں اداکاروں اور افسروں میں بھی مسابقت اسی کے سہارے چلتی ہے جنہیں اس کا پورا یقین ہوتا ہے کہ اگر انہیں ان کے مقاصد میں ناکام یا کامیاب کرنے والی کوئی طاقت ہے تو وہ سحر ہے۔

کھیل کے میدان میں سحر پر اعتقاد کا حاصا عمل دخل براعظم افریقہ میں اپنی مختلف شکلوں میں نظر آتا ہے۔ مثلاً ۱۹۸۸ میں سیول اولمپک کے سلسلے میں مراقش اور آئیوری کوسٹ کی ٹیموں کے درمیان مقابلہ تھا۔ کھیل کے دوران تماشاچیوں نے یہ بھی دیکھا کہ اچانک مراقش کا ایک صحافی آہستگی سے مخالف ٹیم کے گول کیپر تک گیا اور اس پر اس کو اچک لیا جو اس کے ہاتھ میں دبا ہوا تھا اور جب اسے کھول کر دیکھا تو اس میں چند مری ہوئی چڑیاں تھیں اور ساتھ میں کچھ تعویذ رکھے تھے۔ اب یہ ہوا کہ مراقشی ٹیم کے بعض حامیوں نے اس پر پیشاب کیا تو بعض نے اثرات بد کو زائل کرنے کے لیے سورہ فاتحہ کا ورد کیا۔

۱۹۸۸ میں سیول اولمپک کے سلسلے میں مراقش اور آئیوری کوسٹ کی ٹیموں کے درمیان مقابلہ تھا۔ کھیل کے دوران تماشاچیوں نے یہ بھی دیکھا کہ اچانک مراقش کا ایک صحافی آہستگی سے مخالف ٹیم کے گول کیپر تک گیا اور اس پر اس کو اچک لیا جو اس کے ہاتھ میں دبا ہوا تھا اور جب اسے کھول کر دیکھا تو اس میں چند مری ہوئی چڑیاں تھیں اور ساتھ میں کچھ تعویذ رکھے تھے۔ اب یہ ہوا کہ مراقشی ٹیم کے بعض حامیوں نے اس پر پیشاب کیا تو بعض نے اثرات بد کو زائل کرنے کے لیے سورہ فاتحہ کا ورد کیا۔

اس کی وجہ اپنی غرض سے اندھے ہو کر ان کے پاس حاجت روائی کے لیے جاتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ عورتوں کے جسم پر بعض ناقابل فہم عبارتیں اور متر لکھنا۔ جادو ٹونے کروانے کا کام اس رپورٹ کے مطابق مصر میں کس قدر منگوا گیا ہے اس کا کیا جو اپنی غرض سے اندھے ہو کر ان کے پاس حاجت روائی کے لیے جاتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ عورتوں کے جسم پر بعض ناقابل فہم عبارتیں اور متر لکھنا۔ جادو ٹونے کروانے کا کام اس رپورٹ کے مطابق مصر میں کس قدر منگوا گیا ہے اس کا

میں مرد بھی ہیں اور عورتیں بھی۔ بعض سیاہ پوش ہوتے ہیں اور بعض سبز پوش اور گردن میں بڑے پتھروں اور منکوں کی بالاس بھی پہنتے ہیں۔ انگلیوں میں طرح طرح کی انگلیاں بھی ہوں گی۔ کوئی قرآنی آیات پڑھ کر جھاڑ پھونک کر تا ہے تو کوئی لکھ کر تعویذ دیتا ہے اور پلانے کو کہتا ہے۔ ان میں ایسے بھی ہیں جو آیات قرآنی میں تصرفات کر دیتے ہیں اور ان میں بعض الفاظ کی کھی بٹھی اور الٹ پھیر کر پڑھتے یا لکھتے ہیں کیونکہ ان کے خیال کے مطابق اسی میں سحر شکن تاثر کارا ہے۔ کسی مسحور کو عود اور لوبان کی خوشبو میں بسائے ہوئے پانی سے مختلف اوراد کے پڑھنے کے دوران غسل دیا جاتا ہے۔ کسی کو ہدایت کی جاتی ہے کہ پہلے وہ قبرستان کا چکر لگا آئے اور اس کے بعد اگر بتی سلگا کر غسل کی جگہ پر لگائے اور پھر غسل کرے۔ ان اعمال کا سحر کے اثرات کے ازالے سے کیا تعلق ہے یہ وہی لوگ جانتے ہیں۔ ان کے نزدیک سحر کی بھی قسمیں ہیں یعنی ایک وہ جس کا سبب جن ہو اور دوسرا وہ جس کا سبب شیطان ہو اور کہا جاتا ہے کہ انسانوں کی طرح جناتوں میں بھی اچھے اور برے ہوتے ہیں۔ جنوں کا علم رکھنے والے ایک عالم نے ان کی اجتماعی اور سیاسی زندگی کے احوال کا انکشاف کرتے ہوئے بتایا ہے کہ اسلامی تحریک کو جنوں کی دنیا میں زیادہ فروغ حاصل ہو رہا ہے اور ان کے درمیان اس تحریک کا آغاز ۱۹۷۰ کی دہائی میں اٹلی سے ہوا ہے۔ اب یہ تحریک فرانس ۱۰ سپین اور جرمنی ہوتے ہوئے پورے یورپ کو اپنے دائرے اثر میں لینے والی ہے۔ اگرچہ اٹلی کے جن اصلاً مسیحی تھے لیکن وہاں کے انقلابات نے تیزی سے انہیں اسلام کی طرف مائل کیا ہے۔ سیاست سے ان کا کوئی سروکار نہیں لیکن چونکہ بڑے افسران اور سفارت کار ان کے پاس آتے رہتے ہیں اس لیے ان کی بعض مشکلات کا حل نکالنا ہی پڑتا ہے۔ مثلاً یہ کہ ایک سفیر کی بیٹی اس کی گذشتہ جائے ملازمت سے خوش نہیں تھی اس نے وہاں سے تبادلہ چاہا۔ کوئی سبیل نظر نہیں آ رہی تھی۔ لہذا جن نے اپنی قوت سے وزارت داخلہ میں اس سفیر کی فائل میں ایسے اندراجات کر دیے کہ اس کے پسندیدہ تبادلے کے آرڈر اگلے روز جاری ہو گئے۔



بزرگ یا اپنے عزیزوں کی قبروں پر جا کر خیر و برکت کی دعا مانگتے ہیں تاکہ وہ کامیاب و بامراد واپس لوٹیں۔

ایسے فنکاروں، ایکٹروں اور مصوروں کی بھی تعداد خاصی ہے جو اماموں، کاہنوں اور جادو گروں سے دن رات رجوع کرتے رہتے ہیں خواہ وہ اپنی بعض نفسیاتی مشکلات پر قابو پانا ہو یا عزت و شہرت کی تلاش میں کسی ہم پیشہ کا دھندہ چوہنے کرنا ہو۔ کسی شوہر کو بیوی سے اور بیوی کو شوہر سے علیحدہ کرانا ہو کیوں کہ حسد اور انتقام کا جذبہ بار بار انہیں ایسا کرنے پر اکساتا ہے۔

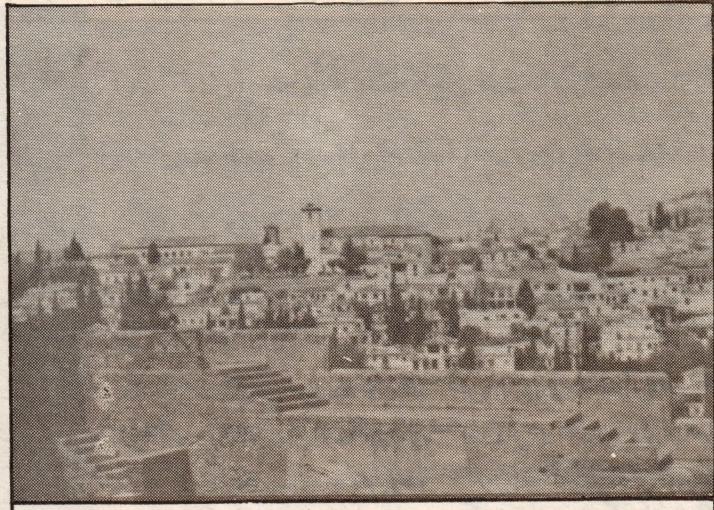
اس ضمن میں مصری پولیس کی فراہم کردہ افراد جب میدان میں اترے تو نگہوں کے طور پر وہاں خنزیر کاٹا۔ بدرالدین اور ایسی کھیل کی ٹیموں کے ساتھ افریقہ میں کئی جگہوں پر چائے ہیں اور عام مشاہدہ ان کا یہ رہا ہے کہ مخالف ٹیم کا کوئی شخص جنوں کا علم رکھنے والے ایک عالم نے ان کی اجتماعی اور سیاسی زندگی کے احوال کا انکشاف کرتے ہوئے بتایا ہے کہ اسلامی تحریک کو جنوں کی دنیا میں زیادہ فروغ حاصل ہو رہا ہے اور ان کے درمیان اس تحریک کا آغاز ۱۹۷۰ کی دہائی میں اٹلی سے ہوا ہے۔ اب یہ تحریک فرانس ۱۰ سپین اور جرمنی ہوتے ہوئے پورے یورپ کو اپنے دائرے اثر میں لینے والی ہے۔ اگرچہ اٹلی کے جن اصلاً مسیحی تھے لیکن وہاں کے انقلابات نے تیزی سے انہیں اسلام کی طرف مائل کیا ہے۔

اسی طرح ایک اور صاحب جن کا نام زینب ہے کہتی ہیں کہ ان کے یہاں ایک نوجوان رہتا تھا۔ یہ جاننے کے باوجود کہ آج کل بے روزگاری کس قدر ہے وہ کسی ملازمت پر ایک یا ڈیڑھ سال سے زیادہ عرصہ تک نکلتا ہی نہ تھا۔ وہ کام بھی خوب اچھی طرح جانتا تھا۔ لوگوں کی رائے اس کے بارے میں بہت اچھی تھی حسن اخلاق اور حسن عمل کے تصدیق نامے اس کے پاس تھے۔ جب اس سے پوچھا جاتا کہ تم نے کام کیوں چھوڑ دیا تو بس یہی جواب دیتا کہ میرا وہاں جی نہیں لگتا۔ آخر

وقت کی سوئی چھ صدی پیچھے چلی گئی، غر

مسلم اسپین کے احیاء کی تحریک سے غل

اسپین جہاں مسلمانوں نے ۷۱۱ء سے ۱۴۹۲ء تک حکومت کی اور پھر زوال پذیر ہوئے تو یوں کہ ۱۶ ویں اور ۱۷ ویں صدی میں ان کا وہاں سے بالکل خاتمہ کر دیا گیا۔ وہ یا تو جلاوطن کر دیے گئے یا پھر زبردستی انہیں عیسائی بنالیا گیا۔ لیکن ۱۹ اپریل کو وقت کی سوئی چھ صدیاں پیچھے چلی گئی جب وہاں ایک مسجد کا سنگ بنیاد رکھنے کے وقت مسلم اسپین کو از سر نو تخلیق کرنے کی کوشش کی گئی۔



قدیم غرناطہ کا ایک منظر — مسجد کی تعمیر اسی مقام پر ہوگی

غرناطہ مدت دراز تک مسلمانوں کے اقتدار کا مرکز رہا اس کا سقوط ۱۴۹۲ میں ہوا۔ کچھ سالوں بعد نہ صرف اس شہر بلکہ پورے اسپین سے مسلمانوں کا نام و نشان مٹا دیا گیا۔ لیکن

بفضلہ تعالیٰ اب اسلام وہاں دوبارہ زندہ ہو رہا ہے۔ عرب طلبہ وہاں کثیر تعداد میں زیر تعلیم ہیں۔ اور وہاں کے اصل باشندے بھی بڑی تیزی سے اسلام کی طرف راغب ہو رہے ہیں۔ ان نو مسلموں میں وہ لوگ بھی ہیں جو خود کو قدیم عربوں کی اولاد سمجھتے ہیں جنکے آباء و اجداد کو زبردستی عیسائی بنالیا گیا تھا۔ جب ان سے یہ پوچھا جاتا ہے کہ ان کے پاس اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ ان کے آباء و اجداد عرب تھے وہ اپنی آنکھوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو اصل اسپینی باشندوں کے برعکس سیاہ ہیں جس کے لیے اقبال نے اپنی ایک نظم میں چشم غزال کا کنایہ استعمال کیا ہے۔

۱۴۹۲ء میں غرناطہ کے سقوط کے بعد وہاں سے مسلمانوں کا وجود ہی نہیں ختم کیا گیا بلکہ ان کی مساجد کو یا تو چرچ بنادیا گیا یا پھر دوسرے

مغربی مسلمان اشاعت اسلام کے لیے سخت جدوجہد کر رہے ہیں۔ وہ اچھے مسلمان بننے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ان کا یقین ہے کہ اسلام ہی مستقبل ہے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد ہر نو مسلم یہ کوشش کرتا ہے کہ وہ دوسروں کو اسلام کی طرف راغب کرے۔

پاس کے اسپینی باشندوں نے اپنی چھتوں سے اس روح پرور منظر کو دیکھا۔ اس موقع پر مراکش،

الجزائر اور ملیشیا کے سفیر بھی موجود تھے۔ غرناطہ کے میئر پروگرام کے مہمان خصوصی تھے۔ جب پروگرام ختم ہوا تو مجمع میں سے چار افراد نے اسلام قبول کر لیا جو اس کے سادہ اور سنجیدہ طریقہ حیات سے متاثر ہوئے تھے۔ ان خوش نصیبوں میں ایک روسی خاتون، دو اسپینی لڑکیاں اور ایک مرد تھا۔

اس پروگرام کو جہاں بہت سارے عورتوں اور مردوں نے دیکھا وہیں ایک ایسا خاموش تماشا بھی تھا جو کبھی اسپین میں اسلام کے عروج و اقبال کی علامت تھا لیکن اب سیاحوں کی توجہ کا اصل مرکز ہے یعنی الحراء، وہ محل جسے تیرہویں صدی میں محمد بن الحارث نے تعمیر کیا تھا۔ الحراء محل بھی ہے اور قلعہ بھی ہے۔ اس قلعہ کے قریب کی پہاڑی پر رہائشی مکانات کے ساتھ ایک بازار ہوا کرتا تھا۔ نئی مسجد کے لیے جو زمین

دارالاسلام کا قیام نو مسلم امریکیوں کا ایک قابل رشک کار

صحرا کے بیچ میں واقع اس مرکزی جانب اسلام کے متلاشی کشات چلے آ

ساتتافے سے جنوب مغرب میں ایک گھنٹہ کی کار مسافت کے بعد اصل شاہراہ سے اک راستہ نکل کر شمال کی طرف جاتا ہے جو دریائے چاما کو پار کر کے ایک ایسی سرزمین میں داخل ہو جاتا ہے جہاں پہنچ کر مارا، کا احساس ہوتا ہے۔ دریائے چاما پر سرخ پہاڑیاں جھکی ہوئی سی لگتی ہیں اور بڑیوں تک سرایت کر جانے والی ہوائیں ہر نظر آنے والی چیز کو ایک مفہوم اور پاکیزگی عطا کرتی ہیں۔ دریائے چاما سے تھوڑا اور آگے جانے کے بعد فضا میں محسوس ہونے والی روحانیت ایک عملی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ ایک پہاڑی کی چوٹی پر آپ کو ایک خوبصورت

مسجد نظر آئے گی اور آس پاس قرینے سے بنے ہوئے مکانات جو دراصل ان لوگوں کی ملکیت ہیں جنہوں نے یہاں ایک مختصر اسلامی بستی قائم کرنے کی کوشش کی ہے۔ صحرا میں آباد اس بستی کا نام دارالاسلام ہے۔ یہ بستی دراصل ایک

روزہ سماجی اجتماع منعقد کرتا ہے جہاں لوگ عبادت کرتے، ایک ساتھ کھانا کھاتے، مختلف موضوعات پر بحث و مباحثہ کرتے اور محنت کرتے ہیں۔ گزشتہ سال ۳ سو کے قریب لوگوں نے اس پروگرام میں شرکت کی تھی۔ دارالاسلام نے



دارالاسلام میں نو مسلم امریکی نماز ادا کرتے ہوئے

فکر اور ادارہ ہے۔ اس کا مقصد اعتدال پسندی، رواداری، تحمل اور قابل عزت بقائے باہم کو فروغ دینا ہے، حکیم آر پولینا اس بستی کے توجہاں ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اعتدال پسندی ہی ابھرتا ہوا اسلام ہے۔ گزشتہ چار سالوں سے دارالاسلام ایک تین

نفع نہ نقصان کی بنیاد پر ایک تعلیمی سٹر بھی قائم کیا ہے جہاں وہ دو ہفتے کے دو تعلیمی پروگرام منعقد کرے گا جن میں سماجی مطالعات کے اساتذہ کو اسلامی تاریخ کے بارے میں مزید معلومات فراہم کی جائیں گی۔ دارالاسلام کا آغاز ۱۹۷۹ء میں بعض ان

امریکیوں نے کیا جنہوں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ یہ لوگ ایک آئینیڈیل اسلامی بستی قائم کرنا چاہتے تھے اور اس مقصد میں ایک امریکہ میں تعلیم یافتہ سعودی تاجر نے ان کی بڑی مدد کی۔ چنانچہ ۲۵ خاندانوں نے یہاں آکر آباد ہونے کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے تیس ہزار فٹ زمین خریدی جہاں انہوں نے اپنے لیے رہائشی مکانات کے علاوہ ایک مسجد اور کلاس روم بھی بنائے۔ لیکن بہت جلد ہی بعض خاندان یہاں سے واپس شہروں میں چلے گئے کیونکہ ”دیہاتی زندگی“ اور وہاں کی سخت معاشی جدوجہد انہیں راس نہیں آتی۔ سردست وہاں صرف ۸ خاندان آباد ہیں۔ والٹر عبدالروف ڈی کلرک سمجھتے ہیں کہ ”ہمیں معلوم ہوا کہ انسانی آبادی بسانا کار بنانے جیسا آسان کام نہیں ہے۔“ وہ مزید کہتے ہیں کہ ”اس سے مایوسی بھی ہوئی اور راحت بھی ملی۔ راحت اس معنی میں کہ ہم نے سالوں وہ کام انجام دینے کی کوشش کی تھی جو ممکن نہیں تھا۔“ ڈاکٹر ڈی کلرک بیجیم میں پیدا ہوئے اور دارالاسلام کے انتظام اور مالی معاملات کے ڈائریکٹر ہیں۔

دارالاسلام اب ایک آئینیڈیل کمیونٹی قائم کرنے کے بجائے سالانہ اجتماعات اور ٹیچر کورسوں پر توجہ دیتا ہے۔ دارالاسلام نے اپنی آٹھ ہزار ایکڑ زمین کا کچھ حصہ بیچ کر ایک وقف اس

مقصد کے لیے قائم کر دیا ہے۔ اس ادارے کے ٹیچر کورسوں کو علمی حلقوں نے قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ یونا حداد ماسا چوسٹ یونیورسٹی میں اسلامی تاریخ کی پروفیسر ہیں۔ انہوں نے ۱۹۹۳ میں دارالاسلام میں ایک ہفتہ گزارنے کے بعد یہ تاثر دیا کہ ”آپ لوگ جو کچھ کر رہے ہیں وہ بہت ہی دلچسپ ہے۔“ انہوں نے مزید کہا کہ امریکہ میں ۳۰ سے ۵۰ لاکھ مسلمان ہیں جن کی اکثریت مہاجرین پر مشتمل ہے۔ یہاں کے ہر چھوٹے

دارالاسلام کا آغاز ۱۹۷۹ء میں بعض ان قبول کر لیا ہے۔ یہ لوگ ایک آئینیڈیل مقصد میں ایک امریکہ میں تعلیم یافتہ

بڑے شہر میں مسجد مل جائے گی لیکن اس طرح کی دیہاتی مسلم بستیاں کم یاب ہیں۔ مزید برآں دارالاسلام کے زیادہ تر باشندے سفید فام ہیں جب کہ اکثر امریکی نو مسلم سیاہ فام ہیں۔ یہ نو مسلم سنی ہیں اور ان کا نیشن آف اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ نیشن آف اسلام کو بعض لوگ ایک گمراہ اور سیاہ فام قومیت کا علمبردار طبقہ تصور کرتے ہیں۔

دارالاسلام کے ترجمان آر پولینا سمجھتے ہیں کہ سالانہ اجتماعات کا ایک مقصد مسلم نوجوانوں کو

اس شمارے کی قیمت پانچ روپے سالانہ چندہ ایک سو روپے / پالیس امریکی ڈالر کے از مطبوعات

مسلم میڈیا فرسٹ
پرنٹر پبلیشر، ایڈیٹر محمد احمد سعید نے
تیج پریس ہباز شاہ ظفر مارگ سے چھپوا کر
دفتر ملی ٹائمز انٹرنیشنل
۱۰۳۹ بوا انٹرنیشنل انگلو
جامعہ مگر، نئی دہلی۔ ۱۱۰۲۵ سے شائع کیا
فون نمبر۔ ۶۸۲۶۰۱۸۔ ۶۹۲۶۰۳۰
سرٹی فکریڈ ہوائی جہاز ساڑھے پانچ روپے

بناطہ میں مسجد کا سنگ بنیاد رکھ دیا گیا

بہ اسلام کی جدوجہد کو نئی قوت حاصل ہوگی

ہو گا۔

غرناطہ کی اس نئی مسجد کی تعمیر اسپینی مسلمانوں کی ایک جماعت کر رہی ہے۔ یہ تنظیم دراصل ان اسپینی باشندوں یا مسلمانوں کی ہے جنہوں نے حال ہی میں اسلام قبول کیا ہے۔ یہ ۱۹۷۵ء میں قائم ہوئی اور اس کا موجودہ نام بھی اسپینی اسلامی جماعت ۱۹۸۳ء میں رجسٹرڈ ہوا۔ اس تنظیم کے سربراہ ایک نو مسلم عبدالفرید برمیجو ہیں۔ فرید کہتے ہیں کہ ”میں ہماری سرگرمی کا مقصد خود اپنے اور اسلام کو قائم کرنے اور یورپ میں اسلام کی اشاعت ہے۔“ انہوں نے مزید کہا کہ ان کی تنظیم نے اسپینی زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ کیا ہے جسے علماء مدینہ نے سب سے اچھا اسپینی ترجمہ قرار دیا ہے۔ ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ حکومت ان کی سرگرمیوں میں کوئی رکاوٹ نہیں پیدا کرتی۔ انہوں نے اس عزم کا اظہار کیا کہ ان کی جماعت



اسپینی مسلمانوں کے سربراہ (دائیں) اور غرناطہ کے میئر (بائیں) ایک نئے دور کا آغاز

روزانہ کے استعمال کی اشیاء فروخت کی گئیں۔ یہ سب اس لیے کیا گیا تاکہ عوام کو معلوم ہو سکے کہ مسلم عہد کا الحراء اور اس کا آس پڑوس کیسا رہا

حکومت اسپین نے دی ہے وہ اسی کے قریب واقع ہے۔ اس موقع کی مناسبت سے مسلم اسپین کے عہد کے بازار کا وقتی طور پر احیاء کیا گیا جہاں

کرنے کے بعد ہر نو مسلم یہ کوشش کرتا ہے کہ وہ دوسروں کو اسلام کی طرف راغب کرے۔ یہ لوگ اسلامی کتابوں کا اسپینی زبان میں ترجمہ بھی

اس خاص موقع پر موجود تھے۔ انہوں نے اسپینی مسلمانوں کے بارے میں اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ”مغربی مسلمان اشاعت اسلام کے لیے سخت جدوجہد کر رہے ہیں۔ وہ اچھے مسلمان بننے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ان کا یقین ہے کہ اسلام ہی مستقبل ہے۔ اسلام قبول پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ آئندہ دنوں میں اسلام اور مغرب کے درمیان ایک تصادم ضروری ہے۔ لیکن اس کے برعکس ایک اسپینی اہل قلم کہتے ہیں کہ اندلس میں جو کچھ ہوا اس کا ایک پہلو لوگ بالکل نظر انداز کر دیتے ہیں۔ یعنی یہ کہ برسوں اسلام اور عیسائیت ایک ساتھ رہے

نئی مسجد کے لیے جو زمین حکومت اسپین نے دی ہے وہ اسی کے قریب واقع ہے۔ اس موقع کی مناسبت سے مسلم اسپین کے عہد کے بازار کا وقتی طور پر احیاء کیا گیا جہاں روزانہ کے استعمال کی اشیاء فروخت کی گئیں۔ یہ سب اس لیے کیا گیا تاکہ عوام کو معلوم ہو سکے کہ مسلم عہد کا الحراء اور اس کا آس پڑوس کیسا رہا ہو گا۔

اور دونوں کے ماننے والوں نے ایک دوسرے کو بہت کچھ دیا۔ آج مسلم اسپین کے بارے میں ہمارے مشترکہ جذبات بہت اہم ہیں کیونکہ اس نئے تصادم کے بجائے تعاون کا جذبہ بیدار ہوتا ہے۔

کر رہے ہیں۔“ ایک امریکی پروفیسر سمویل ہینٹنگٹن نے حال ہی میں ”تہذیبوں کے تصادم“ کا ایک نظریہ اسپین میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں مصروف رہے گی۔ عمر فاروق ایک فری لانس فوٹو گرافر ہیں۔ وہ

کیا ۲۱ ویں صدی میں اسلام اور مغرب کے درمیان جنگ ہوگی؟

عیسائی اور یہودی ممالک سے مسلم دنیا کے تعلقات، خدشات اور امکانات پر ہانگ کانگ کے رسالہ ”ایشیا ویک“ کا اداریہ

خونی غسل ان اسلامی بنیاد پرستوں کی ساری علامات رکھتا تھا جو امریکہ سے نفرت کرتے ہیں۔ یہ سب غلط تھے جیسا کہ ملیشیائی وزیر اعظم مائٹ محمد نے نوٹ کیا ہے کہ ”جب یہ معلوم ہو گیا تھا کہ اسے انجام دینے والا کوئی مسلمان نہیں تھا، یہ حقیقت کہ ہم مارنے والا عیسائی تھا، اسے نظر انداز کر دیا گیا۔ اسے عیسائی دہشت گردی نہیں کہا گیا۔“ دونوں مذکورہ برطانوی یا مغربی اخباروں میں سے کسی نے بھی مسلمانوں کے خلاف اپنی زہر افشانی کے لیے کوئی معذرت شائع نہیں کی۔ مسلم ممالک کے اخبارات بھی اسی قسم کی جانبداری برتتے ہیں۔ گذشتہ ہفتہ ایک معتدل ملیشیائی روزنامے نے اسرائیل اور اس کے حلیف امریکہ کی لبنان میں اقوام متحدہ کی پناہ گاہ پر

سنگسار کر کے ہلاک کرتا ہے۔ اسی طرح مسلم لیڈر زوال پذیر عورت پرست اہالیان مغرب کی تصویر پیش کرتے ہیں جن کے پاس خاندانی اقدار نہیں ہیں۔ افسوس کہ مذہبی شخصیات ایسی باتوں کو تشہیر دیتے ہیں، ایک دوسرے کو شیطان بنا کر پیش کرنے کی اس عادت کا اظہار اسلام اور مغرب کے درمیان

دہائیوں میں مسلم ممالک کے اثر و رسوخ میں تیل کی دولت کی وجہ سے اضافہ ہو گیا۔ ترقی یافتہ مغرب کا تیل پر انحصار ہے جبکہ ترقی پذیر مسلم دنیا کے پاس یہ وافر مقدار میں ہے۔ اس سے تناؤ بڑھا ہے۔ مغرب اور اسلام کے درمیان وسیع خلیج محض مذہبی نہیں ہے۔ مغربی ممالک میں حالیہ سماجی تبدیلیوں کی وجہ سے محاذ آرائی مذہبی کم

حال ہی میں ملیشیائی ٹیلی ویژن گوبل کے حالات حاضرہ کے پروگرام میں ”اسلام اور مغرب“ مذاکرے کا عنوان تھا۔ تین اسکالر مسلم ممالک اور عیسائی۔ یہودی دنیا کے درمیان بڑھتے ہوئے تناؤ پر بحث کر رہے تھے۔ اسی دوران ناظرین سے فون کر کے ایک سوال کا جواب دینے کی گزارش کی گئی۔ سوال تھا: ”کیا ۲۱ ویں صدی میں اسلام اور مغرب کے درمیان جنگ ہوگی؟“ نتیجہ یہ تھا کہ ۱۱ لوگوں نے اثبات اور صرف ۳ نے نفی میں جواب دیا۔ رائے شماری کا یہ پول بہت سے معنوں میں محدود تھا لیکن پیغام واضح تھا۔ ملیشیا ایک پر امن قوم ہے جس کے تیزی سے دو لختند ہو رہے شہری اچھی طرح تعلیم یافتہ اور دنیا دیکھے ہوئے ہیں۔ سوال کا جواب دینے والوں کی اکثریت شاید وسیع الذہن، سیاسی طور پر باشعور اور معتدل مسلمانوں کی تھی۔ اور ان میں سے ایک بڑی اکثریت یہ یقین رکھتی ہے کہ مغرب سے ایک جنگ متوقع ہے۔

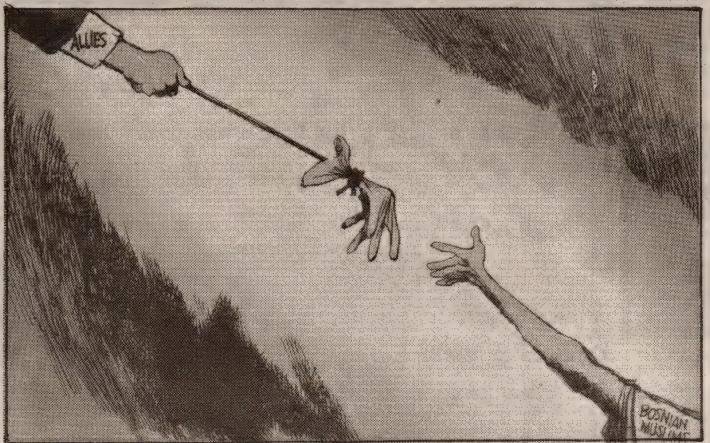
کیوں؟ ذہن میں تین عوامل آتے ہیں۔ تاریخ، سیاسی قیادت اور میڈیا۔ تاریخی اعتبار سے اسلام اور عیسائیت کے درمیان تعلقات اکثر اوقات خراب اور کبھی کبھار قدرے غنیمت رہے ہیں۔ اکثر بربریت کا ظہور ہوتا ہے جیسا کہ صلیبی جنگوں کے دوران ہوا اور رومی سلطنت میں بھی، فلسطین اور ماضی قریب میں بلقان میں بھی ایسا ہی ہوا۔ تاریخی تصادم کا سب سے آخری راؤنڈ اس وقت ہوا جب حالیہ

نامہ ہے

ان نو مسلموں سے روشناس کرانا ہے جنہوں نے بعض علوم و فنون میں مہارت حاصل کر لی ہے۔ مثال کے طور پر ایک نو مسلم جو گھر سے سمندروں میں مچھلیوں کا شکار کرتے تھے انہوں نے اپنی محنت سے اسلامی قانون میں مہارت حاصل کر لی ہے۔ آرچولینا نے ۱۹۷۰ء کی دہائی میں اسلام قبول کیا۔ اس وقت وہ برکے میں کیلی فورنیا یونیورسٹی میں زیر تعلیم تھے اور ایک دوسرے نو مسلم، جن کا تعلق اسکاٹ لینڈ سے تھا، انہوں نے انہیں

امریکیوں نے کیا جنہوں نے اسلام اسلامی بستی قائم کرنا چاہتے تھے اور اس سعودی تاجر نے ان کی بڑی مدد کی۔

متاثر کیا تھا۔ آرچولینا دارالاسلام کی قریبی آبادیوں میں یعنی میکسیکو کے گاؤں میں اسلام کی تبلیغ بھی کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ان غیر مسلموں میں انہوں نے قرآن کی ایک ہزار سے زائد کاپیاں تقسیم کی ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ بعض لوگوں نے اسلام میں دلچسپی بھی ظاہر کی ہے۔ وہ مزید کہتے ہیں کہ ”اسلام ایک اندرونی انقلاب کا نام ہے۔ یہ روشنی ہے، یہ علم ہے۔ یہ حکومتوں کا تختہ الٹنا نہیں ہے۔ یہ امن ہے۔“



کئی تصادموں سے ہوتا ہے مثلاً بوسنیا، سوڈان، چیچنیا، کشمیر، ناگورنو کاراباخ، ناخچیریا، البیسٹیر اور افغانستان۔

اس عمل کو دونوں طرف کے ذرائع ابلاغ خوب پھیلاتے ہیں۔ امریکہ کے اوکلاہما شہر میں ایک سرکاری عمارت پر بم حملے کے بعد ایک مشہور برطانوی اخبار نے یہ سرخی لگائی کہ یہ بوچری (قصاب کی طرح بے رحمی سے کاٹنا) اسلام کے نام پر انجام دی گئی تھی۔ ایک دوسرے روز نامے نے یہ سرخی لگائی کہ ”یہ

اور اسلام اور لبرل سیکولر مغرب کے درمیان کشمکش زیادہ ہے۔ بد قسمتی سے سیاسی قائدین کی سوچ بڑی محدود ہے۔ محض حمایت حاصل کرنے کے لیے وہ نظریاتی، معاشی، مذہبی اور نسلی اختلافات کو ہوا دینا فائدہ مند پاتے ہیں۔ بہت سے یہودی۔ عیسائی لیڈر (اپنی اتباع کرنے والوں کو) ایک پاگل ملا، کلاشکوف بردار بنیاد پرست کی ایج یا ایسے شخص کے ہولے سے ڈراتے ہیں جس کا سر ڈھکا ہوا ہے اور جو ہاتھ کاٹنا یا عورتوں کو

ان کے ذہن میں
ایک اور عہد کی یادیں
دوا عظیم
اکسیرا۔
اسلام کا دراپ

ڈھائی لاکھ بوسنیائی مسلمان کاٹ ڈالے گئے اور مغربی ذرائع ابلاغ جھوٹ بولتا رہا

سرب درندے مسلمانوں کے قتل عام میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے لئے آپس میں ہاتھ پائی بھی کرتے

بعد سے کسی نے ویسی تکلیف نہیں اٹھائی ہے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ سکاٹلینڈ سے نسل پرست جنوبی افریقہ تک حراست کے کیمپوں میں ہر جگہ اسرائیلی مشیر موجود ہیں (جہاں وہ تشدد کے نئے طریقوں کی تعلیم دیتے ہیں) خصوصی ایچی رچرڈ بالبروک نے مسلمانوں اور سربوں یا ان لوگوں کے درمیان ایک امن معاہدہ کرایا جنہیں اس نے انٹرنیشنل پولیس کے سامنے "چڑیلوں کے قاتل بچے" سے تعبیر کیا تھا۔ اس معاہدے نے بھی جارحیت اور نسل کشی کو انعام سے نوازا۔

پیٹر ماس کی خوفناک کتاب پڑھنے کے بعد میں نے سوچا تھا کہ کسی بھی امریکی ڈپلومیٹ کی میں کبھی عزت نہیں کراؤں گا۔ یہاں تک کہ میں نے اسی رچرڈ بالبروک کو سی این این پر دیکھا کہ وہ امریکی سینٹ کی جاسوسی سے متعلق مخصوص کمیٹی کے کمرے کی طرف جا رہا ہے جہاں اس نے جراثیم انداز اقبال کیا کہ امریکہ نے بوسنیا کے خلاف اقوام متحدہ کی عائد کردہ ہتھیاروں کی پابندی کی خلاف ورزی کر کے غیر قانونی ہتھیاروں کی سپلائی سے دانستہ چشم پوشی کی تھی۔

تو کیا ہوا؟ اس نے اس کا بھی خیال نہیں کیا کہ وہ ہتھیار ایران سے آرہے تھے۔ جب مریض انتہائی خیال رکھنے کے وارڈ میں موت و زندگی کی کشمکش میں مبتلا ہو تو آپ یہ سوال نہیں کرتے کہ ۳ کیمپوں کہاں سے آتی ہے؟ بالبروک نے کہا۔ اس نے مزید کہا کہ بوسنیا میں ایرانی عنصر غیر اہم ہے اور مستقبل میں اس کا نوٹ نہیں لیا جانا چاہئے۔

سربوں کی منہ بھرائی، مسلمانوں کی مظلومیت، مغربی پریس کی منافقت اور اقوام متحدہ و امریکہ کے رول پر ایک مغربی صحافی ٹیوڈور واکسن کی دل دہلا دینے والی رپورٹ

اقوام متحدہ کے فرینچ کمانڈر نے یہ کہہ کر قتل عام کو روکنے سے معذرتی ظاہر کی کہ بلقان کی حالت عمارت کو بم سے اڑانے پر مامور کیا تھا۔ ایک امریکی افسر نے امریکی بے عملی سے



☆ معصوم بچے اپنے والدین کی قبروں پر فاتحہ پڑھتے ہوئے

ایسی ہے جہاں ہر شخص دوسرے سے خوفزدہ ہے اور جس سے فرار کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ (یعنی سربوں کو مسلمانوں کا قتل عام کرنے دیا جائے کیونکہ اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے) میڈیا نے بھی اپنی آنکھ بند کر لی۔ لیکن اس فرینچ کمانڈر نے اپنے ہم وطنوں کے مخصوص انداز میں بعد میں کچھ کیا ضرور اور اپنی غلطی کو ذرا کم کیا جب اس نے ایک محصور شہر کا معائنہ کیا جیسا کہ اقوام متحدہ کے سکریٹری جنرل نے کیا تھا اور کچھ کیے بغیر وہاں سے واپس آ گئے تھے۔ لیکن اس کمانڈر نے جب مسلمانوں کے مایوس چہروں کو دیکھا تو اس نے اپنے فیصلے پر نظر ثانی کی اور وہیں رکنے کا ارادہ کر لیا۔ اسے یہ جگہ پسند آئی اور اس نے ایک ایسی عمارت میں قیام کیا جو سب سے آسانی سے سربوں کا نشانہ بن سکتی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ اگر سربوں کو مزید مسلمانوں کو قتل کرنا ہے تو انہیں پہلے اسے قتل کرنے کا خطرہ مول لینا پڑے گا۔

کے ہر شعبے اور حصے کی حمایت حاصل تھی اور مسلمانوں کو قتل کرنے کا جب انہیں موقع ملتا تو ایک دوسرے سے بازی لے جانے کے لیے وہ ہاتھ پائی بھی کر بیٹھتے۔ جب یہ سب کچھ ہو رہا تھا تو میرے جیسے لوگ مغربی ذرائع ابلاغ پر یقین کیے ہوئے تھے جو ہمیں یہ بتا رہے تھے کہ دونوں ہی پارٹیاں مجرم ہیں اور دونوں ہی نے ایک دوسرے کا قتل کیا ہے۔ اس نے دراصل مغرب کی کسی بھی پارٹی کی مدد نہ کرنے کی پالیسی کی تصدیق کی۔ حالانکہ غیر مسلم بوسنیائیوں کی مدد نہ کرنے کا مطلب تھا کہ بے انتہا مسلم سربوں کو انہیں قتل کرنے کی جھوٹ دے دی جائے۔

دونوں پارٹیوں کو غلط قرار دینے کی پالیسی نے بوسنیا کے خلاف ہتھیاروں کی پابندی کو حق بجانب قرار دیا۔ اور ہتھیاروں کی سپلائی پر پابندی لگانا ہی اس افسوسناک ملک کے بارے میں اقوام متحدہ کا واحد اقدام تھا۔ اقوام متحدہ نے مسلمانوں

شہر میں واشنگٹن پوسٹ کا ایک رپورٹر پیٹر ماس مریمہ نائی ایک سالہ نوجوان اور خوبصورت بوسنیائی لڑکی سے ملا جو سربوں کی "نسلی صفائی" یا نسل کشی سے کسی طرح بچ گئی تھی۔ ایک سرب نے جنگی لیڈر اسے اور اس کی چھوٹی بہن کو اس کے گھر سے کھینچ کر ایک محفوظ گھر میں لے گیا۔ اس نے اس کی بہن کو ایک کمرے میں پھینک دیا اور سرب گارڈوں سے کہا کہ "اس سے سوال کرو لیکن بہت زیادہ نہیں" اور ہنس دیا۔ ۱۵ سالہ لڑکی مرگئی۔ مریمہ پھر بھی خوش قسمت تھی۔ اسے خفیہ طور پر اس کی ماں کے پاس لوٹا دیا گیا۔ سربوں کی جنگ باز اسے بھی چاہتے تھے اور اس کی تلاش میں تھے۔ بہت ساری بوسنیائی مسلم لڑکیاں اپنے تجربات بتانے کے لیے زندہ نہیں رہیں۔

بوسنیا کے جن علاقوں پر سربوں کا قبضہ ہوا وہاں مسلمانوں کو گھروں سے نکال کر یا سڑکوں پر سے پکڑ کر دریاؤں کے پلوں پر لے جایا گیا جہاں ان کی گردنیں کاٹ دی گئیں اور ان کے اجسام کو دریا میں ڈھیل دیا گیا۔ یا پھر انہیں کھلے ہوئے گڑھوں کے سامنے ذبح کیا جاتا۔ اس کے فوراً بعد

مسلمانوں کو گھروں سے نکال کر یا سڑکوں پر سے پکڑ کر دریاؤں کے پلوں پر لے جایا گیا جہاں ان کی گردنیں کاٹ دی گئیں اور ان کے اجسام کو دریا میں ڈھیل دیا گیا۔ یا پھر انہیں کھلے ہوئے گڑھوں کے سامنے ذبح کیا گیا۔ اس کے فوراً بعد ان پر مٹی ڈال دی جاتی تاکہ وہ خونیں مٹی میں لت پت ہو کر موت کا لقمہ بنیں۔

ان پر مٹی ڈال دی جاتی تاکہ وہ خونیں مٹی میں لت پت ہو کر موت کا لقمہ بنیں۔ بہت سارے کنسٹرینٹ کیمپوں میں سربوں نے یا تو رافٹوں کے بٹوں سے یا دھار دار ہتھوڑوں سے کھوپڑیوں کو پھوڑ ڈالا۔ انہوں نے مظلوموں کو تندوروں میں زندہ بچکا بھی دیا۔ یہ کیمپیں زیادہ مذہب جرموں کی وحشیانہ قتل گاہیں تھیں جنہوں نے اپنے "ڈکاروں" کو جلانے سے پہلے کم از کم زہریلی گیس سے مار دیا تھا۔

سربوں نے اپنے بوسنیائی قیدیوں کو موت کے گھاٹ اتارنے کے لیے چاقوؤں، پیچنیوں اور سیمینٹ کے بنے ہوئے بلاکوں کا استعمال کیا یا اپنے ہاتھوں سے گلا گھونٹ دیا۔ یہ قیدی جنگی جوان نہیں تھے بلکہ وہ مسلمان تھے جنہیں سڑکوں سے اٹھایا گیا تھا۔ اور جنہیں وہ پکڑ نہ سکے تو سربوں نے ان پر طاقتور رافٹوں سے گولیاں برسائیں یا آرمڈ ٹری سے ان پر حملہ کیا اور ہسپاری کی۔ ۱۰ لاکھ بوسنیائی مسلمانوں میں تقریباً ڈھائی لاکھ ایک ایسی نسل کشی میں ختم کر دیے گئے جو جرموں کے ہاتھوں ہوئی نسل کشی سے بھی زیادہ دہشت ناک تھی کیونکہ اسے سرب سماج

اقوام متحدہ نے مسلمانوں کی نسل کشی میں پراثر طور پر حصہ لیا کیونکہ اس نے اس بات سے (دانستہ) انکار کیا کہ وہاں قتل عام ہو رہا ہے اور کیونکہ اس نے مسلمانوں کو اپنے دفاع سے روک دیا۔ ایک شہر میں تو اقوام متحدہ کے دستوں نے باقاعدہ سرچ لائٹوں کی روشنی بھاگتے ہوئے مسلمانوں پر ڈالی تاکہ سرب انہیں آسانی سے نشانہ بنا سکیں۔

پلان کہا جاتا ہے جس کے مطابق سربوں کو بوسنیا کے ان حصوں پر قبضہ برقرار رکھنے کا حق دیا گیا جہاں سے انہوں نے مسلمانوں کا صفایا کر دیا تھا۔ اس شخص کے بارے میں خود اس کی اپنی پارٹی کے لیڈر کا کہنا ہے کہ قدرت نے اسے ہر چیز سے نوازا ہے یہاں تک کہ اس کے پاس ایک مکمل بد معاش ہونے کی بھی صلاحیت ہے۔

پلان کہا جاتا ہے جس کے مطابق سربوں کو بوسنیا کے ان حصوں پر قبضہ برقرار رکھنے کا حق دیا گیا جہاں سے انہوں نے مسلمانوں کا صفایا کر دیا تھا۔ اس شخص کے بارے میں خود اس کی اپنی پارٹی کے لیڈر کا کہنا ہے کہ قدرت نے اسے ہر چیز سے نوازا ہے یہاں تک کہ اس کے پاس ایک مکمل بد معاش ہونے کی بھی صلاحیت ہے۔

پلان کہا جاتا ہے جس کے مطابق سربوں کو بوسنیا کے ان حصوں پر قبضہ برقرار رکھنے کا حق دیا گیا جہاں سے انہوں نے مسلمانوں کا صفایا کر دیا تھا۔ اس شخص کے بارے میں خود اس کی اپنی پارٹی کے لیڈر کا کہنا ہے کہ قدرت نے اسے ہر چیز سے نوازا ہے یہاں تک کہ اس کے پاس ایک مکمل بد معاش ہونے کی بھی صلاحیت ہے۔

دنیا بھر میں اسلام کو غالب دیکھنے کے آرزو مند شب و روز جدوجہد میں مصروف ہیں دنیا چار سو تبدیلیوں کی زد میں ہے کیا آپ اب تک اس انقلابی مشن سے واقف نہیں؟

آج ہی اس انقلابی منصوبے کا مطالعہ کیجئے جو اس ملک میں ایک نئی صبح کے قیام کے لئے ترتیب دیا گیا ہے

- اسلامی انقلاب کا طریقہ کار ۱۰ روپے
- خطبہ صدارت تاسیسی اجلاس ۲ روپے
- ایک منصفانہ سیاسی متبادل کی تلاش مکمل فائل پٹنہ اجلاس ۱۰ روپے
- ملی پارلیامنٹ کی ضرورت ۲ روپے
- مکتوب ۲ روپے

میلنگ پیچیس روپے کے ڈاک ٹکٹ بھیج کر یہ کتابچے طلب فرمائیں۔

Milli Parliament

Po.Box.77, Aligarh-202002. Tel&Fax (0571) 400182

سیاستدان مسلم ووٹ بینک کی خاطر فرقہ واریت کے عفریت کو زندہ رکھنا چاہتے ہیں

عوام کو راؤ کی چالوں سے ہوشیار کرنے والے خود وہی چال چل رہے ہیں

تحریر: جیا جینٹی

کوششوں کی طرح ہی قابل مذمت ہے۔ ملک کی سالمیت کی بات کرنے والے لوگ ہندوستان کے وسیع تناظر میں مسلم ووٹ بینک کی حیثیت ختم ہوتے دیکھنا نہیں چاہتے اور اسی لیے بی جے پی کی شدت پسندی کو اعتدال کا رنگ دینے کی کوشش کے بجائے فرقہ واریت کے عفریت کو زندہ رکھنا ضروری سمجھتے ہیں۔

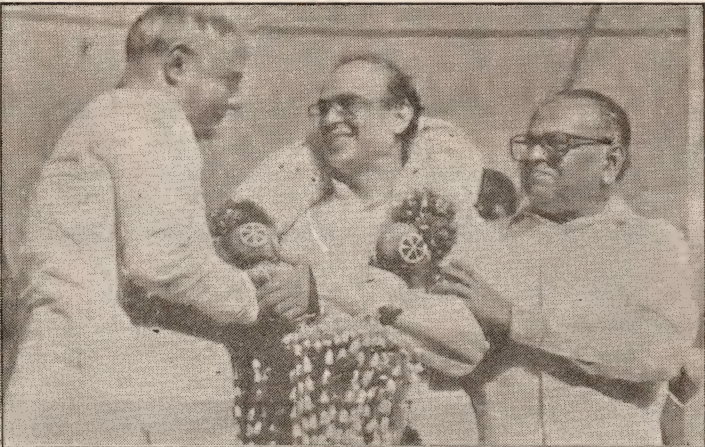
بائیں بازو نے سیکولرزم کے ایجنڈے کی تشریح کر کے خود کو ایک ایسی مستند تقسیم کرنے والی ایجنسی کا مرتبہ دے دیا ہے جو اس کا فیصلہ کرتی رہے کہ کون سیکولر ہے اور کون فرقہ پرست اور کون سا سیکولر پرست دراصل فرقہ پرست ہے اور کون سے فرقہ

پرست عناصر محض سیکولر ہونے کا سوانگ بھر رہے ہیں؟ اسی بائیں بازو والوں نے مصلحت دیکھ کے بات اور موقف بدلنے کا حق بھی اپنے آپ کو دے لیا ہے۔ اہل بہاری باجپئی کی دوشیزے کی حکومت کے دوران عوام کو بی جے پی کی نئی اعتدال پسندانہ لہر سے ہوشیار کرانے میں یہ لوگ پوری طرح مصروف رہے ہیں تاکہ ایک ہوا کھڑا رہے اور مسلمانوں اور جمہوریت پسندوں پر ہت

باقی صفحہ ۲ پر

مخالف حکومت میں اپنا اثر جمائے رکھ سکیں۔ ابھی ایک ماہ پہلے تک مسٹر دی پی سنگھ منظم پریس میٹنگوں کے ذریعے جتنا دل میں خود اپنے ساتھیوں کو ان کی حمایت کے حصول کی غرض سے نرمساراؤ کی فرقہ واریت کی چال کا شکار ہونے سے خبردار کر رہے تھے۔ اب اس کے برعکس طریقہ کار

بڑی پارٹی ہے تو سی پی ایم اور اس کے حلیفوں نے ہی ”بھئی کی رزق پرست“ بی جے پی کو سیکولر خصوصیات سے متصف کر دیا جو اس نے کبھی نہیں کیا تھا۔ چاہے وہ تیگودیس کے نانڈو ہوں یا ڈی ایم کے کے کروناندھی ہوں اب کسی کو نہ بی جے پی سے کوئی اختلاف تھا اور نہ وہ کسی کی نظر



☆ وزیراعظم دیو گودا سابق وزیراعظم دی پی سنگھ اور ایس آر بومنی کے ہمراہ

میں اچھوت رہ گئی تھی۔ یہی بات آندھرا پردیش کے چندرا بابو نانڈو کے بارے میں بھی جاسکتی ہے انہوں نے آندھرا پردیش میں اپنی آر کے جانشین کے مسئلے کے پیش

معاصر صحافت کے کالم میں ہم اہم موضوعات پر معروف اہل قلم اور صحافیوں کے مضامین شائع کرتے ہیں۔ یہ مضامین ہم مختلف قومی اخبارات سے منتخب کرتے ہیں۔ ان کی اشاعت کا مقصد یہ ہے کہ قارئین دوسرے اخبارات کے قلم کاروں کے نظریات و خیالات سے واقف ہو سکیں۔ (ادارہ)

ہوگی۔ شرط صرف یہ ہے کہ مذہبی فرقوں کے رہنما اپنے مذہب کو سیاسی مقصد کے لیے استعمال نہیں کریں گے جیسا کہ آج کل ہندو مسلم، سکھ عیسائی اور دیگر فرقوں کے رہنما کر رہے ہیں۔ ذات پات سے عاری اور سیکولر ریاست و معاشرہ کا تصور کچھ ایسا ہے جس میں ریاست اور مذہب ایک دوسرے سے پوری طرح جدا رہیں گے اور تمام مذاہب کے ماننے والوں، یہاں تک کہ دہریوں کو بھی اپنے عقائد پر عمل پیرا ہونے کی مکمل آزادی حاصل ہوگی۔

۱۹۹۵ میں بی جے پی کے مہا ادمویش منشدہ ممبئی میں ایل کے اڈوانی نے اپنے بیان میں ہندوستان کے آئین سازوں کے پیش کردہ معتبر سیکولرزم سے وفاداری کا عہد کرتے ہوئے سیکولرزم کے عناصر ثلاثہ یعنی مذہبی نظام حکومت کی تردید، بلا امتیاز مذہب و ملت تمام شہریوں کے درمیان مساوات اور ہر شہری کو مذہبی آزادی کی ضمانت پر خصوصی تاکید کی تھی۔ اس کے چند ماہ بعد یعنی مارچ ۱۹۹۶ میں سی پی ایم کے نمبوری پد کے نرمساراؤ حکومت کے سیاسی متبادل کے عنوان سے کمونٹ پارٹی آف انڈیا کی طرف سے شائع دستاویز کی شکل میں دوسرا بیان سامنے آیا۔ مؤخر الذکر بیان میں کھا گیا تھا کہ سیکولر ریاست یا معاشرہ کا مطلب غیر مذہبی معاشرہ نہیں ہے۔

آج ہمارے ملک میں بہتات ایسے ہی عناصر کی ہے جو اقتدار کے بھوکے ہیں اور سیکولرزم کو اپنے گناہوں کی پناہ گاہ بناتے ہیں اس یقین کے ساتھ کہ مذہب کی بنیاد پر رائے دہندگان کو یکجا کر لیں گے اور ملک ہمیشہ فرقہ واریت کی جھینٹ پر مختار رہے گا۔

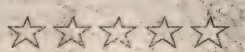
مذہب بھی باقی رہے گا اور مقدس کتابوں میں مذکور اصولوں پر اس کے پیر و کار بند بھی رہیں گے اور کوئی بھی خارجی ادارہ یا حکومت جائز مذہبی معاملات میں دخل نہ

جب واضح ہو گیا کہ بی جے پی ہی واحد سب سے

بقیہ: اسلام اور مغرب کے درمیان جنگ

بے اصولے اور تشدد اور دہشت گردی کے دلدادہ ہیں۔ ”یہ بات گذشتہ ہفتہ ملیشیا کے وزیراعظم ڈاکٹر مارٹن محمد نے بھی کہی ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ ”بوسنیا، چچنیا، فلسطین اور لبنان میں جہاں مسلمان کمزور ہیں، اسلام کے دشمنوں نے ان پر بے رحمانہ حملہ کیا ہے۔“ بہت سے مسلمان ”کافر“ مغرب کو ایک ایسا دشمن تصور کرتے ہیں جس کو مطمئن نہیں کیا جاسکتا۔

واضح رہے کہ تصادم کا بیج نہ صرف بودا گیا ہے بلکہ وہ پھل پھول رہا ہے۔ کیا کرنا چاہتے؟ سیاسی قائدین کو ایسی کوششوں میں اہم رول ادا کرنا چاہئے جن کا مقصد اختلافات کی خلیج پر پل قائم کرنا اور غلط فہمیوں کو کم کرنا ہے۔ مسٹر ہینٹنگٹن تہذیبوں کو ایک ساتھ رہنے کی دعوت دیتے ہیں ڈاکٹر مارٹن محمد ثقافتی رشوق کو استوار کرنے کی بات کرتے ہیں۔ پہلے قدم کے طور پر بہتر ہو گا کہ طرفین یہ پھر سے یاد کریں کہ عیسائیت یہ تعلیم دیتی ہے کہ دوسروں کے ساتھ ہی کیا جائے جو وہ چاہتے ہیں۔ دوسری اہم بات جو ذہن میں رکھنے کی ہے وہ یہ کہ اسلام کا مطلب امن ہے۔



بقیہ: کیسا سی بی آئی کی تحقیقات راؤ کو جیل تک لے جائیں گی؟

ہے کہ پر بھاکر راؤ کے دباؤ کی تحت کارسن کو یورپا در آمد کرنے کا ٹھیکہ دیا گیا تھا۔ سی بی آئی کی تحقیق جاری ہے اس لیے کوئی تبصرہ کرنا بروقت نہ ہوگا۔ لیکن اب تک جو حالات ابھر کر سامنے آئے ہیں، ان سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ٹھیکوں کا ایک گروہ ایک جھوٹی فرم قائم کر کے بعض بااثر سیاستدانوں اور وزیروں کے بیٹوں کو رشوت دے کر ایک ٹھیکہ حاصل کر لیتا ہے۔ اس فرم نے جو رشوت دی تھی وہ تو ان لوگوں کو مل گئی۔ وہ تو ملنی ہی تھی لیکن یورپا کی ایک یوری جی ایچ اینڈوسٹان نہیں آتی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ معاملات کو بگڑتے دیکھ کر رشوت خوروں نے اپنے حصے کی رقم وصول کرنے سے انکار کر دیا ہو اور اب دی رقم اسٹیٹ بینک آف انڈیا کے ہیڈ کوارٹر میں پڑی ہوئی ہے جس کا کوئی دعویدار نہیں ہے۔

چنانچہ انہوں نے پہلی کوشش یہ کی کہ کسی طرح ۳۶ ملین زائد کی رقم واپس حاصل کی جائے۔ انہوں نے پک ٹیٹ بینک سے رابطہ قائم کیا تو یہ پچلا کہ ۱۹۹۲ کا ڈنٹ نمبر سے یہ رقم نکال چاکی ہے اور اب اس کا پتہ نہیں ہے۔ اب یہ بھی تقریباً طے ہے کہ یورپا بھی ہندوستان نہیں پہنچ پائے گا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ تحقیق کے بعد پتہ چلے کہ کارسن نام کی کوئی فرم ترکی میں ہے ہی نہیں۔

اس گھوٹالے کی تحقیق کی ذمہ داری سی بی آئی کے حوالے کر دی گئی ہے۔ سی بی آئی نے

ممکن ہے کہ معاملات کو بگڑتے دیکھ کر رشوت خوروں نے اپنے حصے کی رقم وصول کرنے سے انکار کر دیا ہو۔

رقم کو سونپ کر لینڈ کے انٹیکو سونپ بینک میں جمع کر دیا جائے۔ لیکن اس بینک نے بھی یہ کہہ کر رقم واپس کر دی کہ اسے اس نام کی کسی فرم کا علم تک نہیں ہے۔

فروری تک یہ بات طے تھی کہ اس بھاری رقم کو لینے والا کوئی نہیں تھا۔ لیکن این ایف ایل اور سامبا سیواراؤ کو اس سے کوئی پریشانی نہیں ہوئی۔ کسی طرح رقم جمیو کے پک ٹیٹ بینک میں جمع ہوئی اور وہاں تقریباً ایک ماہ تک رہی۔ اس کے بعد اس بات کا انتظار ہونے لگا کہ یورپا کی طرف آئے مارچ آگیا لیکن یورپا کا ایک دانہ بھی نہ آیا۔ اب این ایف ایل اور فرملازمر مشنری کے پریشانی لاحق ہوئی۔ دونوں کے نمائندے سامبا سیواراؤ سے ملے تو اس نے بھاکر راؤ کے بعض کلکی دشواریوں کی وجہ سے یورپا نہیں آ پاہا ہے۔ تفتیش کے بعد پتہ چلا کہ ۲ نومبر کو کل رقم کا ایک فیصد جو ادا کیا گیا تھا وہ کارسن کو نہیں ملا۔ دراصل یہ رقم گھوم پھر کر اسٹیٹ بینک آف انڈیا کی دہلی برانچ کے پاس آ رہی ہے۔ اور اسے کوئی لینے والا نہیں ہے۔ مارچ اپریل میں حکومت ہند کو اندازہ ہو گیا تھا کہ ان کے ساتھ دھوکہ ہوا ہے۔

کارسن کے ہندوستانی نمائندے سامبا سیواراؤ کو گرفتار کر لیا ہے۔ این ایف ایل کے بعض افسران بھی گرفتار ہوئے ہیں۔ سابق مرکزی وزیر رام لکھن یادو کے بیٹے پر کاش چندر یادو اور سابق وزیراعظم نرمساراؤ کے ایک رشتہ دار سنجیواراؤ کو بھی گرفتار کر لیا گیا ہے۔ نرمساراؤ کے بیٹے پر بھاکر راؤ سے بھی سی بی آئی تفتیش کر چکی ہے اور ممکن ہے آئندہ دنوں میں انہیں بھی گرفتار کر لیا جائے کیونکہ اب تک کی تحقیقات سے اتنی بات واضح ہو چکی

بمباری کے لیے سخت تنقید کی اور یہ سرخی لگائی Getting Away with Murder یعنی قاتل سزا پاؤں نہ ہوگا۔ اس مضمون میں ان میزاتلوں کا تذکرہ نہیں تھا جو اسرائیل پر برس رہے تھے۔ (ایشیا ویک ایک مغرب نواز میگزین ہے اس لیے وہ یہ بھول گیا ہے کہ اسرائیل جنوبی لبنان پر غاصبانہ قبضے کیے ہوئے ہے جسے آزاد کرانے کے لیے حزب اللہ برسر پیکار ہے۔ اور پھر مغرب یہ کیوں بھول جاتا ہے کہ اس نے یہودیوں کو ایک وطن دینے کے لیے لاکھوں فلسطینیوں کو بے وطن کیا ہے۔) بلاشبہ کئی ممالک میں پریس، بالخصوص ایران اور شام میں اور نجی مغرب مخالف ہیں۔

ایک طرف اور غیر حقیقت پسندانہ رپورٹیں دراصل ایک ایسے ذہن کی پیداوار ہیں جو واقعے کے ظہور سے قبل بن جاتا ہے اور جو دشمنانہ رویے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اس کے پیچھے یہ یقین ہے کہ مسلم اور مغربی سماج ایک دوسرے سے اس قدر مختلف ہیں کہ ان کے درمیان تصادم تقریباً یقینی ہے۔ اس نقطہ نظر کی تشریح امریکی اسکالر سیویئل ہینٹنگٹن نے اپنے تنازعہ مضمون ”تہذیبوں کے تصادم“ میں کی ہے۔

”مجموعہ کی شکست کے بعد مغرب کو ایک نئے دن (جہم) کی ضرورت تھی۔ یہ لوگ متلون،

مسلم اکثریتی حلقوں کو آزاد کرائیے

کمال انظر صدر مونس و محمد

کی تعداد خطرناک حد تک کم ہوتی چلی جا رہی ہے۔ اس ملک کی ریاستوں میں مسلمانوں کے ووٹ کا تناسب سب سے کم ۵ فیصد ہریانہ میں ہے جبکہ سب سے زیادہ ۹۵ فیصد کشمیر میں ہے۔ اگرچہ ۲۰۱۳ کی انتخابی حلقے ایسے ہیں جہاں مسلمانوں کا تناسب ۲۵ فیصد سے کم ہے ۵۰ فیصد تک ہے۔ ہمارے تقریباً ۱۲ پارلیمانی انتخابی حلقے ایسے ہیں کہ اگر مسلمان بصیرت سے کام لیں تو ان کی تعداد کافی بڑھ سکتی ہے۔ یہ کتنی حیرت ناک بات ہے کہ اس سیکولر ملک میں ۵۴۳ پارلیمانی حلقے میں ۱۱۹ حلقے کو ہرچمن اور شیڈول برائے الہی لے مخصوص کر دیا گیا ہے جس میں تقریباً ۴۰ ایسی جگہیں ہیں جہاں مسلمانوں کا ووٹ دوسرے تمام فرقوں سے زیادہ ہے۔ اس معاملے پر ملک کے مسلم دانشوروں کو سنجیدگی سے غور کرنا ہوگا اور ایسے تمام پارلیمانی حلقوں کو جہاں مسلمانوں کا تناسب زیادہ ہے آزاد کرانا ہوگا۔

آفس سکرٹری۔ مونس، پٹنہ۔ بہار

ملی ٹائمز پر ایک تبصرہ

ہے۔ وہ یہ کہ چوتھے جمعہ کو ضرور نماز پڑھے نماز سے پہلے سچی توبہ کرے اور کلہر طیبہ صدق دل سے پڑھ کر پھر نماز شروع کرے۔ آپ سے گزارش ہے کہ آپ اپنے اخبار میں کم از کم ایک صفحہ دین کے لیے وقف کریں جس میں اہم حدیثوں اور چند آیات قرآنی کا بھی ترجمہ ہو تاکہ سلسلہ تبلیغ جاری رہے۔ اس سے آپ بھی جواب دہ نہ رہیں گے اور ہم جیسے کافی لوگ استفادہ حاصل کر سکیں گے۔ آپ کے ٹرسٹ کے لیے اگر میں کسی کام آسکوں تو بے شک آپ مجھے حکم صادر کر سکتے ہیں۔ میں اسے اپنی خوش نصیبی سمجھوں گا۔ کچھ اس طرح کی کادشیں کی جانیں کہ علماء کرام ایک بار دلی طور پر خالصتاً اللہ کے لیے غور کریں کہ آیا فرقہ پرستی صحیح ہے یا غلط اور اگر غلط ہے تو حکمت عملی کیا ہو کہ لوگ راہ راست پر آئیں اور بہت سی چیزیں ہم غلط ہونے کے باوجود پکڑے ہوئے ہیں خواہ وہ چیزیں وراثت میں ملی ہوں یا علماء سو کی دین ہو۔ مذہب و ملت میں جو چیزیں اضافی پیدا ہو گئی ہیں انہیں ختم کرنے کی کوشش کی جائے اور ملت میں اتحاد پیدا کیا جائے انشاء اللہ کامیابی قدم چومے گی۔ بصورت دیگر بوسنیہ سے براہمراہتر ہونے والا ہے۔ عبد القیوم۔ سعودی عرب

مفصل مضامین بھی دیں

نگار حسان تحسین صاحب کا مسئلہ کشمیر پر مضمون بہت ہی عمدہ تھا جس میں چند ایک ایسے قانونی نکتے اجاگر کیے گئے تھے جن پر نہ صرف لوگوں کا دھیان کم یا نہیں جاتا ہے بلکہ انہیں کو نظر انداز کر کے غاصب و ظالم بڑی صفائی سے دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونک دیتا ہے۔ اردو صحافت میں ایسا عمدہ مضمون پچھلے چھ سات سال میں نہیں دکھائی دیا۔ صلاح الدین نیل گری۔ نوشہری نگر۔ بمبئی

کمال انظر صدر مونس و محمد عبد المنان خاں ایڈووکیٹ پٹنہ بانی کورٹ سکرٹری مونس (مسلم یونین فور نیشنل انٹیکیشن اینڈ سیکولرزم) نے حالیہ پارلیمانی انتخاب کے نتائج پر رد عمل ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ اس ملک کے ۲۰ کروڑ ہندوستانی مسلمانوں کو سیاسی، سماجی تعلیمی اور اقتصادی سطح پر پیچھے ڈھکیلنے والوں کا ایسا ہی انجام ہوتا ہے۔ آزادی کے بعد ہندوستانی مسلمانوں نے کانگریس پارٹی کو من حیث القوم اپنا تعاون دیا جس کے بل بوتے پر یہ تقریباً ۴۰ سال تک اس ملک پر حکمرانی کرتی رہی لیکن اس نے مسلمانوں کو اس تعاون کے بدلے میں فرقہ وارانہ فسادات، عام بدحالی اور تعلیمی پس ماندگی سے دو چار کر دیا۔ جہاں آزادی کے وقت ۳۳ فیصد مسلمان ملازمت میں تھے وہاں اب صرف ڈیڑھ فیصد رہ گئے ہیں۔

اس ملک میں مسلمانوں پر ترقی کے راستے مسدود کر دیے گئے ہیں۔ پارلیمنٹ میں مسلمانوں

تو مبارک باد قبول کیجئے۔ اس تاریک دور میں ہم اردو دانوں کے لیے صبح صادق کی طرح آپ کا اخبار آیا۔ میں شروع سے آپ کا اخبار پڑھتا ہوں۔ البتہ کچھ عرصہ کے لیے چھٹی پر گیا تھا تو بمبئی میں کافی تلاش کے بعد مجھے بابے سنٹرل ریلوے کے بک اسٹال سے ملا۔ واپسی کے بعد یہاں پہلے کی طرح ہر دوکان پر دستیاب نہ تھا میں نے سمجھا جس کا ڈر تھا وہی ہوا۔ پھر الحمد للہ۔ آپ کا اخبار ابھی ابھی ملا ہے۔ ملی ٹائمز نے ہم لوگوں کو یہاں جو صلہ بخشا ہے دعا ہے بار الہی اس اخبار کے ساتھ ہم مسلمانوں میں اتحاد اور عمل پیدا فرما اور اس اخبار کو اتنی عمر دے کہ تاریخ کا واحد اخبار کہلائے۔ اب میں اخبار پر تنقید کرتا ہوں ایک تا ۱۵ منی کے شمارے کے صفحہ نمبر ۱۰ پر شادی سے متعلق سوال کا آپ نے مکمل جواب نہیں دیا ہے براہ کرم جواب پورا دیا کریں اور دعا کریں میں لکھیں ساتھ ہی حدیث کا نام جس سے نقل کی جا رہی ہے وہ بھی لکھیں ہو سکتا ہے سائل ایک جواب کی خاطر حدیث لائے اور پھر اس کے علم میں اضافہ ہو مثلاً آپ نے جواب میں یہ نہیں بتایا کہ مہر کی ادائیگی اولین کام ہوگا۔ اس کے اگلے جواب میں آپ نے کہا ہے کہ تین جمعہ چھوڑنے والوں کے قلب پر اللہ تعالیٰ مہر لگا دیتا ہے ٹھیک ہے۔ لکھنے کا راستہ کون بتائے گا فرض آپ ہی کا

آپ کا اخبار انشاء اللہ پہلے سے اچھا ہے اور کافی ترقی کر رہا ہے۔ عوام میں کافی مقبول ہو رہا ہے۔ اس کے لیے مبارکباد قبول فرمائیں۔ میں ایسا محسوس کرتا ہوں کہ ابھی بھی اس اخبار میں چند خامیاں ہیں مثلاً اس میں آدے آدے صفحات کے مضامین یا رپورٹوں کی بھرمار رہتی ہے اور تفصیلی مضامین کی کمی ٹھکتی ہے جو کہ بھرپور علمی مضامین ہوں۔ منی ۹۹ کے شمارے میں ایک ماہر عرب مضمون

مسلم جاب ریزرویشن اور اکابر ملت

مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی اور معاشی پریشانی کے پیچھے

رہتی ہے ایسا لگتا ہے کہ یہ ایک کوٹا ہے جو ہر سال آٹھ سو نو سو میں سے صرف ۲۰ کے آس پاس ہی رہے۔ جب کہ منڈل کمیشن کے لاگو ہونے سے قبل بھی یہی پوزیشن تھی اور اب جب کہ منڈل کمیشن کے تحت ۲۰ فیصد کا کوٹا نافذ کر دیا گیا ہے تو ان میں سے پسماندہ مسلم امیدواروں کو ملا کر ان کی تعداد ۴۰ اور ۵۰ یا پھر اس سے زائد کیوں نہیں ہوتی؟

ایک طرف مسلم آبادی میں اضافہ ہوا ہے تو دوسری طرف ملازمتوں سے مسلمانوں کی تعداد گھٹی ہے۔ اعلیٰ عہدوں پر فائز زیادہ تر غیر مسلم ہی دکھائی دیتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا آزادی سے اب تک سارے مسلمان کنڈ ذہن، کورس اور غمی پیدا ہوئے ہیں؟ ہاں اگرچہ نمونے کے طور پر کچھ کامیاب اور اعلیٰ عہدوں پر فائز مسلم افراد دکھائی دیتے ہیں مگر ان کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہوتی ہے۔ سرکاری تو درکنار غیر سرکاری ملازمتوں کے لیے بھی مسلم نوجوانوں کو پاؤں پیلنے پڑتے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یہاں بھی مسلم نوجوانوں کی تعداد بہت ہی کم ہوتی ہے۔ سول سروسز کے علاوہ پولیس، فوج، سی بی آئی اور راجیہ خفیہ محکمے میں بھی مسلمان نہیں کے برابر ہیں۔ ریزرو بینک میں ۲۰ ڈائریکٹر ہوتے ہیں جن میں صرف دو ڈائریکٹر مسلمان ہیں، سی بی آئی میں نہیں کے برابر مسلمان ہیں۔ جب کہ راجیہ خفیہ محکمے میں مسلمان صفر ہیں۔

اس سال یو پی ایس سی کے تحت سول سروسز کے مقابلہ جاتی امتحان ۹ جون کو ہوئے۔ جس میں تقریباً دو لاکھ امیدواروں نے حصہ لیا۔ جن میں تقریباً دو ڈھائی ہزار مسلم امیدوار بھی ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس سال کامیاب ہونے والے مسلم امیدواروں کی تعداد کتنی ہوتی ہے۔ محمد علی ظفر

پٹنہ، کلکتہ، برہمان (مغربی بنگال)

ہندوستانی سیاست کا مکروہ چہرہ

آپ کے معزز ہفت روزہ "ملی ٹائمز" کا انتظار بہت بے قراری سے رہا کرتا ہے حالیہ شمارے میں "مرکز میں بھاجپاتی حکومت کے قیام سے ہندوستانی سیاست کا مکروہ چہرہ بے نقاب ہمارے دلوں کی ترجمانی ہے۔ آر ایس ایس حکومت کے لیے اعتماد کے ووٹ پر بحث کے دوران غیر بی بی بی میمران میں صرف جارج فرنانڈیز نے ہندو تو گے علمبرداروں کی حکومت کی وکالت کی اور کہا جہاں سے وہ چین کر آئے ہیں وہاں بنکر مسلمان اور دست کار مسلمان ہیں لیکن ان کی خبر گیری سب سے زیادہ وقفہ تک حکومت کرنے والوں نے کبھی نہیں کی۔ گویا وہ وہاں کے مسلمانوں پر بی بی بی کی حکومت بھنتے ہی نواز شوں کی بارش کر دیں گے۔ انہوں نے بی بی بی کی ہی زبان میں کچھ دھمکیاں بھی دیں۔ ایک معزز ممبر پارلیمنٹ نے بجا طور پر ان سے سوال پوچھا کہ کیا وہ باری مسجد کی شہادت کی ذمہ داری لیں گے؟ کچھ ہندو لیڈروں نے ہی ہندو تو گے علمبرداروں کی بخیر ادھیڑ دی۔ سنگھ پریوار سے پاسوان نے ایک چھٹتا ہوا سوال کیا کہ آج ہر

ریاست کا وزیر اعلیٰ تو ہندو ہے، کہاں ہے کوئی مسلمان؟ اس ملک کو اور کس طرح ہندو راشٹر بنانا چاہتے ہو؟ سنگھ پریوار کے پاس کیا ہے باری مسجد توڑنے کا جواز؟ لیکن سوال یہ ہے کہ ہندو تو گے علمبردار جی کب بولتے ہیں؟ بی بی بی کے مجرمانہ ریکارڈ کی حامل پارٹی ہے یہ سب کو معلوم ہے

دراصل یہی ہے "ہندوستانی سیاست کا مکروہ چہرہ" ایک سیکولر حکومت کے اعلیٰ عہدیدار اس میں شامل ہیں۔

کمال الدین یتیزی بازار۔ سدھارتھ نگر (یو پی)

یہ اختلافات کیوں؟

شاہد بی کوئی ہوش مند اس حقیقت سے انکار کرے کہ اگر مسلمان تفرقہ بازی میں پڑنے کی بجائے قرآن و سنت کی روشنی میں مضابطہ حیات اپنائے رکھتے تو شرحوں اور تشریحوں جیسی طواریف کی نوبت ہی نہ آتی بلکہ مسلم قوم کا کردار و عمل ہی اس کمی کو ہر دور کے لحاظ سے پورا کرتا رہتا۔ مگر افسوس صد

افسوس مسلمانوں میں تفرقہ پیدا ہوتے ہی قرآن و سنت کے ایک کی بجائے کئی کئی مضمون سمجھے جانے لگے جس کے نتیجے میں اتحاد اور ملی یک جہتی کا شیرازہ بکھرنا شروع ہو گیا۔ نفرتیں اور کدورتیں پیدا ہونے کے ساتھ ساتھ نئے نئے فرقوں نے جنم لیا۔ یہ روئے کے ذہن میں یہ حقیقت پختہ کر دی گئی کہ اس انتہائی لڑ پڑ کے بغیر قرآن پاک کے الہی مضمون تک رسائی حاصل کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے ان حالات میں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ہر فرقے کے پاس اپنا اپنا قرآن و سنت ہے۔ تکلف برطرف آج ایک مسلمان بلا جھجک دوسرے مسلمان سے دریافت کرتا ہے کہ جناب کے زیر مطالعہ کون سے مفسر قرآن کی تفسیر ہے۔ سرخیل حضرات نے اپنے اپنے حلقے کے مسلمانوں کو اس خوش فہمی میں مبتلا کر رکھا ہے کہ جنت کے حقدار فقط وہی ہیں اس انوکھے نظریے کے تحت سب کے سب جنتی یا جہنمی قرار پاتے ہیں۔ آج کرہ ارض پر نوع انسانی کی بڑی اکثریت کے دلوں سے رب العالمین کا خوف مٹ چکا ہے اور نہ ہی احترام انسانیت ہے۔ اجتماعیت کی بجائے انفرادیت میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے نوجوان طبقہ رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے بغیر ایک جگہ اکٹھے رہ کر جنسی تعلقات قائم کرنے میں عار محسوس نہیں کرتا۔ ان حالات سے صاف ظاہر ہے کہ شیطان کرہ ارض پر اپنے نصب العین میں کامیابی و کامرانی کے مراحل طے کر رہا ہے۔ شیطان کو اس کے مشن میں شکست دینے کے لیے مسلمانوں کے پاس قرآن مجید کی صورت میں نسخہ کیمیا موجود ہے لہذا جمید و فاضل علماء کرام پر لازم آتا ہے کہ باہم مل کر قرآن و سنت کی روشنی میں گروہ بندی اور فرقہ داریت کو فروغ دینے والے عقائد و نظریات کو پس پشت ڈالتے ہوئے ایسا متفقہ لائحہ عمل تیار کریں جس پر مسلم قوم کا ہر فرد عمل پیرا ہو کر دور حاضر کی معاشرتی، ثقافتی اور معاشی برائیوں و بدعنوانیوں کے علاوہ قبیح جرائم و افعال سے پاک معاشرہ قائم کرنے کا اہل ثابت ہو۔

محمد شکور بھٹی۔ ریاض (سعودیہ عربیہ)

ہماری ایجنسیاں

- ☆ ایگل نیوز ایجنسی
- رائس مارکیٹ، دھارواڑ (کرناٹک)
- ☆ نورانی کتاب گھر
- محمد کفیل احمد بک سیلس اینڈ عطر مرچنٹ
- ہاؤس کئی۔ کلکتہ (آریہ)
- ☆ عبدالمنان
- میگزین اینڈ نیوز پیپر ایجنسی
- لشیر گنج۔ ہراج (یو پی)
- ☆ نوین تھار جھا
- نیوز پیپر ایجنسی
- رہسے ہاؤس نمبر 145/154 انگل پارا
- نیر در گامندر۔ مدھوپور (دیوگر)
- ☆ شفیع اللہ
- ☆ بک ایجنسی
- ☆ مسٹر بک ڈپو
- ☆ بی۔ ۲۹ نزد جامع مسجد، نیو سلیم پور، دہلی۔ ۱۱۰۰۵۳

سائنسک تربیت اور عقیدے سے وابستگی نے

جرمن فٹبال ٹیم کو کامیابی کی بلندیوں پر پہنچا دیا ہے

تحریر:
اجمل
حسین



یورپی فٹبال چمپئن شپ کے تناظر میں

جرمن ٹیم میں تمام کھلاڑیوں کو برابری کا درجہ دیا جاتا ہے خواہ وہ کنسانیا اور تھامس ہیلر جیسے شہرہ آفاق اور دنیا کے منگے ترین کھلاڑی ہوں یا دمیترا پیلس یا فریڈی بانی جیسے نئے اور معمولی درجے کے کھلاڑی ہوں۔ وہ سب کے سب ٹیم کے کوچ اور بیچر کے تیار کردہ پروگرام پر عمل کرتے ہیں اور ان میں سیکرٹری جو تیر کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہوتا۔ جبکہ اس کے برعکس اسلامی ملکوں پر نظر ڈالی جائے تو ان کی ٹیموں کے سینئر کھلاڑی اپنے کوچ اور بیچر اور متعلقہ فیڈریشن کو بلیک میل ہی نہیں کرتے بلکہ جو تیر کھلاڑیوں سے الگ تھلک رہ کر خود کو ان سے برتر ثابت کرتے ہیں۔

یہی نہیں اس بار تو جرمن کھلاڑیوں نے اپنی صلاحیتوں کے باوجود خدا سے لو لگا رکھی ہے اور انہیں امید ہے کہ اللہ ان کی مدد کرے گا اور وہ لفظ

قومی ٹیم کو دیے ہیں۔ جبکہ اس کے برعکس دنیا کے تمام فٹ بال ممالک اس مدت میں بیسیوں کوچ بدل چکے ہوں گے۔ یہی نہیں بلکہ اس نے صرف انہیں ہی کوچ مقرر کیا ہے جو قومی فٹبال کی کریمہ رکھے ہیں۔ اگرچہ انگلش والے جرمنی سے شدید نفرت کرتے ہیں لیکن اس کا دیوقامت اسرائیل کے جرمن کنسانیا ان کی آنکھ کا تار ہے۔ اس نے حال ہی میں اس بات کا انکشاف کیا ہے کہ جرمنی فٹ

کرتے مگر ہارنے پر یہ کہتے ہیں کہ آج ہم پوری قوت سے نہیں کھیلے۔ بہر حال جرمنی کی واحد ٹیم ہے جو چار بار یورپی چیمپئن شپ کے فائنل میں پہنچی ہے۔ دو مرتبہ ۱۹۶۲ اور ۱۹۸۰ میں مشرقی جرمنی کے انضمام سے قبل مغربی جرمنی کی حیثیت سے یورپی چیمپئن ریم اور دو بار ۱۹۶۹ اور ۱۹۹۲ میں رنرز اپ رہی۔ اور اب "یورپ ۹۹" کے لیے وہ ایک مرتبہ پھر سہ بازار میں پہلے مقام پر کھڑی ہے اور اسے ہماری

ڈانسی ٹرائی کا مضبوط ترین دعویدار قرار دیا جا رہا ہے۔ اگر اس کو ورلڈ کپ کے آئینہ میں دیکھا جائے تو ۱۹۵۲، ۱۹۶۳، ۱۹۹۰ اور ۱۹۹۶ میں فاتح عالم رہا ہے اور ۱۹۸۲ اور ۱۹۸۶ میں رنرز اپ رہا ۱۹۶۰ میں اس نے تیسری پوزیشن پائی تھی۔ لیکن سوال تو یہ ہے کہ آخر جرمنی کی ان شاندار کامیابیوں کا راز کیا ہے؟

عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ جرمنی کی مسلسل کامیابیوں یا فٹ بال کی بہترین صلاحیت کا سبب اس کا بے مثال کوچنگ نظام ہے۔ جس میں ایک سلسل ہے اس نے دوسری جنگ عظیم کے بعد جب سے فیکا کی دوبارہ رکنیت حاصل کی ہے اس وقت سے اب تک جرمنی نے صرف ہ کوچ

بال مشین کیوں اتنا نکھرا ہوا کھیل پیش کرتی ہے اس کا کھنا ہے کہ ہماری کامیابی کے پس پشت سائنسی طرز فکر اور طرز عمل کار فرما ہے۔ جرمن ٹیم میں سب سے بڑی خوبی تو یہ ہے کہ اس میں مساوات پر خاص طور پر عمل کیا جاتا ہے اور جو درس اسلام دیتا ہے اس پر مسلم ممالک تو عمل پیرا نہیں ہیں لیکن جرمن کھلاڑی اس پر عمل کرتے ہیں یہ بھی ان کی کامیابی کا اصل راز ہے۔

اس بار تو جرمن کھلاڑیوں نے اپنی صلاحیتوں کے باوجود خدا سے لو لگا رکھی ہے اور انہیں امید ہے کہ اللہ ان کی مدد کرے گا اور وہ لفظ اللہ اس لیے استعمال کر رہے ہیں کیونکہ ٹیم کا ایک بہترین فارورڈ اسٹیفن کنز ترکی میں بیسکٹاس اسٹنول کلب سے کھیلتا ہے وہ اپنے ساتھ چھوٹے چھوٹے تعویذ لایا ہے جنہیں "چشم اللہ" کا نام دیا گیا ہے اور اس تعویذ کے بارے میں یقین کیا جاتا ہے کہ وہ مصیبتوں، آفات، بلاؤں، پریشانیوں اور ناکامیوں سے محفوظ رکھتا ہے۔ شیشہ کا بنا یہ تعویذ آنکھ کی

اللہ اس لیے استعمال کر رہے ہیں کیونکہ ٹیم کا ایک بہترین فارورڈ اسٹیفن کنز ترکی میں بیسکٹاس اسٹنول کلب سے کھیلتا ہے وہ اپنے ساتھ چھوٹے چھوٹے تعویذ لایا ہے جنہیں "چشم اللہ" کا نام دیا گیا ہے اور اس تعویذ کے بارے میں یقین کیا جاتا ہے کہ وہ مصیبتوں، آفات، بلاؤں، پریشانیوں اور ناکامیوں سے محفوظ رکھتا ہے۔ شیشہ کا بنا یہ تعویذ آنکھ کی

باقی صفحہ ۲ پر

اس بار فرینچ اوپن ٹینس کھیل اور حسن کا دلآویز سنگم بن گیا



میرس پیرس نے اپنے کھیل سے زیادہ اپنے جاذب نظر لباس کی نمائش کی

خطاب جیتنے والی ٹیم کا بھی ایک حصہ تھے۔ کافل نیکوف پورے ٹورنامنٹ میں صرف ایک سیٹ ایک میچ میں نہ جیت سکے ورنہ اپنے ہر مقابل کو سیدھے سیٹوں میں ہرا دیا۔

نمبر ایک کھلاڑی پیٹ سمپرس اس سٹی فائنل

باقی صفحہ ۲ پر

جیسے اسٹروک اور تیز سروس کے ماہر کھلاڑی کو اس سے کافی فائدہ پہنچا۔ روس کے کافل نیکوف اس پورے ٹورنامنٹ میں بہت اچھا کھیلے۔ وہ بہت ہی محنتی کھلاڑی ہیں جس کا انہیں پھل بھی ملا۔ انہوں نے نہ صرف سنگل خطاب جیتا بلکہ مردوں کا ڈبل

کا کھنا تھا کہ اس لباس میں وہ کسی ملک کی ملک لگ رہی تھیں۔

گراف کسی ملک کی ملک تو نہیں ہیں لیکن فرینچ اوپن کی ملک ضرور بن گئیں۔ یہ خطاب انہوں نے پانچویں بار جیتا ہے۔

فائنل میں ایک سخت مقابلے میں انہوں نے تین سیٹوں میں اسپین کی اوئیزا ماسخو کو ہرایا۔ یہ فائنل فرینچ اوپن کی تاریخ کا، جہاں تک خاتون ٹینس کا تعلق ہے، سب سے طویل فائنل تھا۔ اس میں کل ۳۱ گیم کھیلے گئے اور میچ ۳ گھنٹہ چار منٹ تک جاری رہا۔

مرد کھلاڑیوں کے لمبوسات پر بھی اس بار لوگوں کی خاص توجہ رہی۔ امریکہ کے آندرے اگاسی بھی میری پیرس کی طرح ہی، طرح طرح کے لباسوں کے شوقین ہیں۔ ان کی شرٹ کچھ یوں کھلی رکھی گئی تھی جس سے یہ پتہ چلے کہ اب وہ اپنے

کی پسند کا لباس پہن لینا اور بات ہے اور اچھا کھیل کھیلنا دوسری بات۔ چنانچہ پیرس کا لباس انہیں ٹورنامنٹ کے چوتھے راؤنڈ سے آگے نہ لے جاسکا۔ پھر بھی پیرس نے جھکا کہ کم از کم ان کا

لباس تماشائیوں کو پسند آیا۔ اگر پیرس اچھا کھیلے تو شاید وہ اور ان کا لباس دونوں اور زیادہ پسند کیے جاتے۔ اسٹیفی گراف، جو بالآخر ٹورنامنٹ کی فاتح ہوئیں، انہوں نے پیرس کے لباس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ "یہ اچھا تھا لیکن یہ ٹینس لباس نہیں لگتا تھا۔" چنانچہ گراف نے خود پورے ٹورنامنٹ میں وہی لباس زیب تن کیا جو ٹینس کی خاتون کھلاڑی بالعموم پہنتی ہیں۔ لیکن ایک فنکشن میں مس گراف نے، ہزار دوسو ڈالر کا ایک لمبوس پہن کر سبھی کو مبسوت کر دیا۔ خود ان

والے فرینچ اوپن میں جہاں تماشائیوں کو مدتوں بعد جارحانہ کھیل دیکھنے کو ملا وہیں حسن پرستوں کو خاتون کھلاڑیوں کے نوع بہ نوع لمبوسات نے بھی کافی متوجہ کیا۔ امسال موسم کافی سخت تھا جس کی وجہ سے مئی سے بنے کورٹ میں کافی سختی تھی جس سے تیز سروس اور تیز اسٹروک لگانے والے کھلاڑیوں کو فائدہ ملا۔ مدتوں سے فرانس کا موسم اس ٹورنامنٹ کے موقع پر سرد ہوا کرتا اور وقتاً فوقتاً بارش بھی ہوجاتی جس سے کورٹ میں سختی باقی نہ رہتی۔ چنانچہ دیر تک ریلی کرنے کی صلاحیت رکھنے والے کھلاڑیوں کو اس سے خوب فائدہ پہنچتا تھا اور جارحانہ کھیل کے ماہر کھلاڑی اس ٹورنامنٹ میں کوئی خاص کامیابی نہیں حاصل کر پاتے تھے۔ یہی ختم ہونے کھیل کے ساتھ اس بار کھلاڑیوں کے لباس بھی مرکز توجہ رہے۔ خاص طور سے فرانس ہی کی خوبصورت کھلاڑی میرس پیرس کا سیاہ لمبوس جو سائر کم تھا اور بدن کی نمائش کی غرض سے پہنایا گیا تھا، تماشائیوں کو کافی پسند آیا۔ لیکن تماشائیوں

"شادی کے بعد دفتر اور گھر کی ذمہ داری نے مجھے لڑکی سے دادی بنا دیا"

ملازمت پیشہ خواتین دفتر میں باس کو اور گھر میں شوہر کو خوش رکھنے کی مشکلات میں کیسے جکڑی رہتی ہیں

دیکھایہ گیا ہے شادی کے کچھ دن بعد تو خواتین کسی طرح ملازمت کر لیتی ہیں لیکن خاندان کی تشکیل کی جب ابتدا ہوجاتی ہے تو ان کے سامنے انتخاب بہت واضح ہوتا ہے کہ وہ اپنا وقت دفتر کی نذر کریں یا اپنے چھوٹے بچے کی دیکھ بھال میں۔ لگے ہاتھوں ازدواجی صورت حال پر بھی نظر ڈالتے چلیں جہاں ملازمت پیشہ بیوی اور خاندان دار شوہر پلاسٹک کے کھلونوں کا کاروبار کرتا ہے اور گھر پر اس کا آفس ہے۔ بیوی باہر گھوم کر اسی کی مارکیٹنگ کرتی ہے۔ اس طرح شوہر بیوی کی غیر موجودگی میں بچوں کی دیکھ بھال کر لیتا اور ان کے لیے کھانا بھی تیار کر لیتا ہے۔ لیکن بچوں کو خواہ قریبی پارک



سب بے حقیقت ثابت ہوئیں۔ دونوں رول بہت واضح ہیں۔ ایک صرف باہر کام کرتا ہے اور دوسرے کو باہر اور گھر میں دونوں جگہ کام کرنا ہے۔ مرد گھر آتا ہے آرام پانے کے لیے آپ اسے اور کام دینے لگیں تو وہ گھر بھی دیر سے آئے لگے گا۔ کمپنیوں اور دفتروں کے مالکان بھی شادی شدہ ملازمت پیشہ عورتوں کے مسائل کا کسی قدر احساس ضرور رکھتے ہیں ایسے ہی ایک ذمہ دار افسر کا کہنا ہے کہ اگر ایک شادی شدہ اور دوسری غیر شادی شدہ عورت کو ملازم رکھنے کے معاملے میں انتخاب کرنا ہو تو وہ ترجیح مؤخر الذکر کو دیں گے۔ اس کی

ملازمت کرتا ہے اس لیے ملازمت پیشہ بیوی کی مشکلوں کا احساس کر کے وہ اس کا ہاتھ تو بٹاتا ہی ہو گا؟ یہ بات درست ہے کہ جہاں میاں بیوی دونوں کام کرنے والے ہوتے ہیں ان میں اس حد تک یگانگت ہوتی ہے کہ گھر داری کی ذمہ داریاں مل جل کر پوری کر لیں۔ مرد لوگ ہاتھ بناتے ہیں لیکن شام کو کام پر سے گھر آنے والا مرد بغیر ہاتھ منہ دھوئے سستی دور کیے اور چائے کے بغیر ہاتھ بنانے پر آمادہ نہیں ہو پاتا۔ اس معاملے میں ایک نفسیاتی اصول کی طرف اشارہ کر دینا بر محل ہو گا۔ عورت کے تمام مسائل سے واقف ہونے اور اس سے ہمدردی کے باوجود بیشتر مرد ایسی بیویوں کی خواہش رکھتے ہیں جو باہر ملازمت تو کریں لیکن گھر کے کام سے بھی جی نہ چرائیں، وہ کام پر سے لوٹے تو اس کا چہرہ کھلا ہوا ہو تاکہ اس کی شام خوشگوار گزرے۔ مختلف پیشوں سے وابستہ خواتین کے تجربات اس سلسلے میں کم و بیش یکساں ہیں۔

بچنے کو دلچسپ تجربے سے تعبیر دینے والے شخص نے شاید ملازمت پیشہ عورتوں کی حالت کو یہ فیصلہ سناتے وقت پیش نظر نہیں رکھا۔ نئی نئی ماں بننے والی کسی بھی مذہب ملازمت پیشہ خاتون سے پوچھنے تو وہ یہی کہے گی کہ اس زندگی کو پر لطف تجربہ اسی وقت بنایا جاسکتا ہے جب جو بیس گھنٹوں کو کھینچ کر ۲۴ گھنٹے کر دیا جائے۔ بات معقول ہی ہے اس لیے کہ بچے کو کھلانے پلانے، نہلانے دھلانے، گھر کے کام کاج نمٹانے، برتن اور کپڑے دھونے کا ایک نہ ختم ہونے والا پیکر ہے جس میں وہ الجھتی ہی رہتی ہے اور پھر دفتر اور فیکٹری بھی جاتی ہے۔ یہی نہیں بلکہ اس دوران گھر سے آنے والی تکلیف دہ ٹیلیفون کالیں بھی سننی ہیں کہ کسی نے قیمتی کٹ کلاس کا پیالہ توڑ دیا، کسی نے گھٹنا زخمی کر لیا تو کوئی من پسند کھانا نہ ملنے کی وجہ سے ناراض ہو گیا ہے۔ شام کو گھر آئے تو کوئی رورور کر آسمان سر پر اٹھائے ہے اگر دو بچے ہیں تو دونوں

راہ اختیار کرے تو سمجھے کہ اس کا جنازہ ہی نکل گیا کیونکہ وہ باقی کچھ بھی کرے بیوی اور ماں کی حیثیت سے اپنے فرائض میں کسی طرح کوتاہی نہیں کر سکتی۔ یہی وہ مسائل ہیں جن کے پیش نظر اب پڑھی لکھی خواتین میں ۹ سے پانچ بجے تک کی ملازمت سے چپکے رہنے کا رجحان بڑھتا جا رہا ہے اور وہ گھر پر رہ کر اپنی خاندان داری اور بچوں کی تربیت کو بہتر بنانے پر زیادہ توجہ صرف کر رہی ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسا فیصلہ کرنا آسان تو نہیں ہے کیونکہ اس کا مطلب خود کو لگی بندھی آمدنی سے محروم کرنا ہو گا۔ پہلی سی گرم جوشی اب نہیں رہ گئی ہے بلکہ

دو سالہ سنی بزنس میں کے لیے صحت مند پھر سے بدن کی گھریلو لڑکی جس کی عمر ۱۸ سے ۲۳ سال کے درمیان ہو رشتہ مطلوب ہے۔ تفصیل کے ساتھ رنگین تصویر بھی روانہ فرمائیں۔ رابطہ ملی ٹائمز انٹرنیشنل۔ باکس ۳۰۲ * سنی مسلم بزنس کنسلٹنٹ (عمر ۳۵ سال) قد ۵ فٹ ۱۰ انچ گیارہ انچ (کے لیے باہر جانے کی خواہش مندا ایم بی بی ایس لڑکی سے رشتہ مطلوب ہے۔ رابطہ ملی ٹائمز انٹرنیشنل۔ باکس ۳۰۳ * بزنس پیشہ سنی خاندان کے مذہب گریجویٹ خوبرو لڑکے (عمر ۲۵ سال) قد ۱۷۱ سینٹی میٹر (کے لیے ہمیشہ میں مقیم مذہب تعلیم یافتہ اور خوبصورت لڑکی سے رشتہ درکار ہے۔ رابطہ ملی ٹائمز انٹرنیشنل۔ باکس ۳۰۴ * سنی خاندان کے مذہب رحمان والے لڑکے (عمر ۲۵ سال) قد ۱۷۵ سینٹی میٹر (کے لیے جس کا ذاتی مکان اور بزنس ہے موزوں رشتہ مطلوب ہے۔ تفصیل کے ساتھ بشرط واپسی فوٹو بھی روانہ کریں۔ رابطہ ملی ٹائمز انٹرنیشنل۔ باکس ۳۰۵ * ایک معروف کمپنی میں سات ہزار روپے ماہوار پانے والے اسسٹنٹ مینجر (عمر ۲۰

میاں بیوی کے مل جل کر کام کرنے کی جو بھی کھانیاں انہوں نے سنی تھیں وہ سب بے حقیقت ثابت ہوئیں۔ دونوں رول بہت واضح ہیں۔ ایک صرف باہر کام کرتا ہے اور دوسرے کو باہر اور گھر میں دونوں جگہ کام کرنا ہے۔ مرد گھر آتا ہے آرام پانے کے لیے آپ اسے اور کام دینے لگیں تو وہ گھر بھی دیر سے آئے لگے گا۔ کمپنیوں اور دفتروں کے مالکان بھی شادی شدہ ملازمت پیشہ عورتوں کے مسائل کا کسی قدر احساس ضرور رکھتے ہیں ایسے ہی ایک ذمہ دار افسر کا کہنا ہے کہ اگر ایک شادی شدہ اور دوسری غیر شادی شدہ عورت کو ملازم رکھنے کے معاملے میں انتخاب کرنا ہو تو وہ ترجیح مؤخر الذکر کو دیں گے۔ اس کی

ایک کنسلٹنگ ایجنسی میں کام کرنے والی دو بچوں کی ماں سیماکھورانہ کا کہنا ہے کہ شادی کے بعد آپڑنے والی ذمہ داریوں نے انہیں لڑکی سے دادی بنا دیا اور میاں بیوی کے مل جل کر کام کرنے کی جو بھی کھانیاں انہوں نے سنی تھیں وہ سب بے حقیقت ثابت ہوئیں۔ دونوں رول بہت واضح ہیں۔ ایک صرف باہر کام کرتا ہے اور دوسرے کو باہر اور گھر میں دونوں جگہ کام کرنا ہے۔ مرد گھر آتا ہے آرام پانے کے لیے آپ اسے اور کام دینے لگیں تو وہ گھر بھی دیر سے آئے لگے گا۔

دوسرا گھوڑے کی سواری کرنے کے لیے چل رہا ہے۔ اب باہر بھی آپ ہی کو لے جانا ہے اور گھوڑا بن کر سواری بھی آپ ہی کو کرانی ہے۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر شوہر بھی تو اس گھر کا یکساں طور پر ذمہ دار فرد ہے۔ وہ بھی

ضرورت رشتہ

رابطہ ملی ٹائمز انٹرنیشنل۔ باکس ۳۰۶ * مذہب اور بارسوخ سنی خاندان کے دہلی میں پریکٹس کرنے والے ایم ڈی ڈاکٹر (عمر ۳۰ سال) قد ۵ فٹ ۱۰ انچ (کے لیے ڈاکٹر یا غیر ڈاکٹر خوبصورت لیے قد کی لڑکی سے رشتہ درکار ہے۔ رابطہ ملی ٹائمز انٹرنیشنل۔ باکس ۳۰۸

سید سنی خاندان سے تعلق رکھنے والے دو بھائیوں (عمر بالترتیب ۲۹-۳۳ سال) کے لیے نجیب الطرفین سید خاندان / پٹھان خوبصورت لڑکیوں (عمر بالترتیب ۲۲ سال ۲۵ سال) سے رشتہ مطلوب ہے۔ ایک بھائی سعودی عرب میں ایرلینڈ میں ایگزیکٹو اسسٹنٹ کے عہدہ پر فائز ہے جبکہ دوسرے بھائی کا اپنا کاروبار کنٹا پلیس میں ہے۔ ایرلینڈ میں کام کرنے والے لڑکے کے لیے لڑکی میڈیکل لائن سے ہو اور دوسرے بھائی کے لیے ٹیچنگ یا فارما سے ہو تو ترجیح دی جائے گی۔ ایرلینڈ میں کام کرنے اور بزنس کرنے والے دونوں بھائیوں کی تعلیم پوسٹ گریجویٹ ہے۔ صرف مکمل یا نیوٹناروانہ کریں محمد کئی چیف پیورو چندریکا ڈی ۱۸ فیروز شاہ روڈ، نئی دہلی فیکس ۲۲۲۹۹۲

* سنی مسلم لڑکا تعلیم انٹر میڈیٹ (عمر ۲۲ سال) نیک صوم و صلوة کے پابند با اخلاق (کے لیے نیک دینی رجحان رکھنے والی صوم و صلوة کی پابند پڑھی لکھی لڑکی سے رشتہ مطلوب ہے۔ تفصیل کے ساتھ فوٹو بشرط واپسی روانہ کریں۔ رابطہ ملی ٹائمز انٹرنیشنل۔ باکس ۲۹۰ * خاسک میں مقیم تجارت پیشہ سنی

رابطہ ملی ٹائمز انٹرنیشنل۔ باکس ۳۰۷ * بزنس پیشہ سنی خاندان کے مذہب گریجویٹ خوبرو لڑکے (عمر ۲۵ سال) قد ۱۷۱ سینٹی میٹر (کے لیے ہمیشہ میں مقیم مذہب تعلیم یافتہ اور خوبصورت لڑکی سے رشتہ درکار ہے۔ رابطہ ملی ٹائمز انٹرنیشنل۔ باکس ۳۰۴ * سنی خاندان کے مذہب رحمان والے لڑکے (عمر ۲۵ سال) قد ۱۷۵ سینٹی میٹر (کے لیے جس کا ذاتی مکان اور بزنس ہے موزوں رشتہ مطلوب ہے۔ تفصیل کے ساتھ بشرط واپسی فوٹو بھی روانہ کریں۔ رابطہ ملی ٹائمز انٹرنیشنل۔ باکس ۳۰۵ * ایک معروف کمپنی میں سات ہزار روپے ماہوار پانے والے اسسٹنٹ مینجر (عمر ۲۰

مفت بالکل مفت

اس کوپن کو کاٹ لیجیے چار کوپن ایک ساتھ بھیج کر آپ ضرورت رشتہ کا ایک اشارہ مفت چھپوا سکتے ہیں

Milli Times International Classified Advertisements

رابطہ ملی ٹائمز انٹرنیشنل۔ باکس ۳۰۳ * بزنس پیشہ سنی خاندان کے مذہب گریجویٹ خوبرو لڑکے (عمر ۲۵ سال) قد ۱۷۱ سینٹی میٹر (کے لیے ہمیشہ میں مقیم مذہب تعلیم یافتہ اور خوبصورت لڑکی سے رشتہ درکار ہے۔ رابطہ ملی ٹائمز انٹرنیشنل۔ باکس ۳۰۴ * سنی خاندان کے مذہب رحمان والے لڑکے (عمر ۲۵ سال) قد ۱۷۵ سینٹی میٹر (کے لیے جس کا ذاتی مکان اور بزنس ہے موزوں رشتہ مطلوب ہے۔ تفصیل کے ساتھ بشرط واپسی فوٹو بھی روانہ کریں۔ رابطہ ملی ٹائمز انٹرنیشنل۔ باکس ۳۰۵ * ایک معروف کمپنی میں سات ہزار روپے ماہوار پانے والے اسسٹنٹ مینجر (عمر ۲۰

رابطہ ملی ٹائمز انٹرنیشنل۔ باکس ۲۹۹ * سنی خاندان کے عمان میں لیکچرر لڑکے (عمر ۳۰ سال) قال ۱۷۰ سینٹی میٹر (کے لیے گریجویٹ لڑکی سے جلد رشتہ مطلوب ہے۔ خواہش مند حضرات ضروری تفصیل کے ساتھ فوٹو بھی روانہ فرمائیں۔ رابطہ ملی ٹائمز انٹرنیشنل۔ باکس ۳۰۰ * خلیج میں انجینئر کی حیثیت سے ملازم لڑکے (عمر ۲۰ سال) قد ۱۷۱ سینٹی میٹر (کے لیے خوبصورت ڈاکٹر یا دیگر پیشے سے وابستہ لڑکی سے رشتہ درکار ہے۔ رابطہ ملی ٹائمز انٹرنیشنل۔ باکس ۳۰۱ * امریکی شہریت رکھنے والے خوبرو ۳۸

رابطہ ملی ٹائمز انٹرنیشنل۔ باکس ۳۰۶ * مذہب اور بارسوخ سنی خاندان کے دہلی میں پریکٹس کرنے والے ایم ڈی ڈاکٹر (عمر ۳۰ سال) قد ۵ فٹ ۱۰ انچ (کے لیے ڈاکٹر یا غیر ڈاکٹر خوبصورت لیے قد کی لڑکی سے رشتہ درکار ہے۔ رابطہ ملی ٹائمز انٹرنیشنل۔ باکس ۳۰۸

”میرے باپ نے مجھ سے اپنے جنازے میں شامل ہونے کا حق چھین لیا تھا“

ایک اولاد سے محبت اور دوسری سے بے اعتنائی گھر کو تباہی کے راستے پر ڈال دیتی ہے

انہوں نے مجھ سے یہ حق چھین لیا تھا کہ میں انہیں اپنا باپ سمجھوں تو پھر میں کس کے جنازے میں جاتا۔ پھر اس نے پورا معاملہ بیان کیا جو باپ اور بڑے بھائی نے اس کے ساتھ کیا تھا۔ بہر حال اپنے ایمان کی قوت کے سارے اس نے زندگی میں جدوجہد جاری رکھی۔ اس کے دن پھر پلٹے اس نے اپنی زندگی سے جو سبق سیکھا تھا اس کی روشنی میں اپنی اولاد کی اچھی تربیت کی انہیں بہتر تعلیم سے آراستہ کیا اور ایک ایماندار اور متقی انسان کی حیثیت سے زندگی گذاری۔

معاشرے پر نظر ڈالے تو ایسی مثالوں کی کوئی کمی نہیں ملے گی اور جو بات مشترک ہے وہ یہ کہ عدل کے اصول سے ذرا سی لغزش پورے ڈھانچے میں خرابی پیدا کر دیتی ہے اور ایسا وہیں ہوتا ہے جب خاندان کا ایک فرد اپنے دائرہ اختیار سے تجاوز کر جاتا ہے یا اپنی ذمہ داریوں کی نوعیت سمجھنے میں کبھی غلطی کر بیٹھتا ہے۔

کی رو سے باپ کی جائداد اور کاروبار میں سے اس کے ہاتھ کچھ نہیں لگنا تھا۔ دوکان سے اس کی آمدنی پہلے ہی بہت قلیل رہ گئی تھی باپ صاحب فراش ہو چکے تھے بھائی سے کچھ امید بندھی کہ شاید وہ کچھ ترس کھائے۔ لہذا اس کے پاس جا کر منت کی رو سے باپ کی جائداد اور کاروبار میں سے اس کے ہاتھ کچھ نہیں لگنا تھا۔ دوکان سے اس کی آمدنی پہلے ہی بہت قلیل رہ گئی تھی باپ صاحب فراش ہو چکے تھے بھائی سے کچھ امید بندھی کہ شاید وہ کچھ ترس کھائے۔ لہذا اس کے پاس جا کر منت

جو بات مشترک ہے وہ یہ کہ عدل کے اصول سے ذرا سی لغزش پورے ڈھانچے میں خرابی پیدا کر دیتی ہے اور ایسا وہیں ہوتا ہے جب خاندان کا ایک فرد اپنے دائرہ اختیار سے تجاوز کر جاتا ہے یا اپنی ذمہ داریوں کی نوعیت سمجھنے میں کبھی غلطی کر بیٹھتا ہے۔

ساجت کی کہ باپ نے تو ناراضگی کے باعث مجھے کچھ نہ دیا اب تم میرے حال پر رحم کھاؤ۔ بڑا بھائی جو باپ کی کشتی پر کراہتا تھا شقی القلب اور چالاک ہو گیا تھا اس نے کہا کہ تم اطمینان رکھو جو کاروبار میرے ہاتھ میں ہے وقت آنے پر میں منافع میں سے تمہیں مناسب حصہ دوں گا۔ لیکن یہ ایسا وعدہ تھا جو کبھی وفا نہ ہوا۔ یہاں تک کہ جب باپ کا انتقال ہو گیا اور چھوٹے بھائی نے بڑے کو اس کا وعدہ یاد دلایا تو وہ بالکل اپنے عہد سے منکر ہو گیا بلکہ اس کی تادیب اس طرح کی کہ اگر اپنے والد کی مرضی کے بغیر تمہیں کاروبار میں سے کچھ دیا تو ان کی روح کو شدید آذیت پہنچے گی۔

آخر میں حرم نصیب راضی برضا ہو کر بیٹھ رہا۔ باپ کے انتقال پر ان کے جنازے میں جو لوگ شریک تھے، دفعتاً ان میں بعض افراد کو یہ خیال ہوا

نے بڑے ناز و نعم سے پالا اور ضروری تعلیم بھی دلائی جب وہ دونوں ذمہ داری کی عمر کی سرحد میں داخل ہوئے تو اپنی اپنی افتاد طبع کے مطابق بڑے بیٹے نے باپ کی تجارت میں ہاتھ بٹانا شروع کیا اور چھوٹے بیٹے نے الگ سے اپنی ایک دوکان کھول لی۔ چھوٹا بیٹا پابند صوم و صلوات اور دین داری کی طرف مائل تھا دوکان سے جو وقت بھی بچ رہتا وہ ذکر الہی میں گزارتا اور اس نے ماں باپ سے ملاقات کے لیے ہفتے دو ہفتے کا معمول مقرر کر لیا۔ رفتہ رفتہ ایک بیٹا والدین سے حد درجہ قریب اور دوسرا ان سے کافی دور ہو گیا۔ اس دوران باپ نے بڑے بیٹے اور اس کی ماں سے بہت زیادہ خوش ہو کر سارا کاروبار اور اثاثہ بڑے بیٹے کے نام کر دیا۔ ان کی نظر میں ناکارہ بیٹا جس کا کاروبار بازاری مسابقت کی بنا پر ہلکا پڑ گیا تھا اور جسے اپنے بھائی کی طرح دیکھ کر غصے میں پڑتا تھا اس کا سامنا کرنا پڑا، والدین کے پاس آیا تو ان کی ماں نے باپ کے موقف کی وضاحت کرتے ہوئے پورا معاملہ اسے بتا دیا جس

کے لیے ہفتے دو ہفتے کا معمول مقرر کر لیا۔ رفتہ رفتہ ایک بیٹا والدین سے حد درجہ قریب اور دوسرا ان سے کافی دور ہو گیا۔ اس دوران باپ نے بڑے بیٹے اور اس کی ماں سے بہت زیادہ خوش ہو کر سارا کاروبار اور اثاثہ بڑے بیٹے کے نام کر دیا۔ ان کی نظر میں ناکارہ بیٹا جس کا کاروبار بازاری مسابقت کی بنا پر ہلکا پڑ گیا تھا اور جسے اپنے بھائی کی طرح دیکھ کر غصے میں پڑتا تھا اس کا سامنا کرنا پڑا، والدین کے پاس آیا تو ان کی ماں نے باپ کے موقف کی وضاحت کرتے ہوئے پورا معاملہ اسے بتا دیا جس

باپ اگر ایک پر تو جان چھڑکتا ہو اور دوسرے پر شفقت کی نگاہ ڈالنے کا بھی روادار نہ ہو اور گھر میں یہی عام رویہ اختیار کر لے تو بظاہر تو یہ ایک کے مقابلے میں دوسرے کو بھارتیہ کر دینا ہی کہا جائے گا لیکن باپ کے اس عمل کے باطن میں جھانکے تو اندازہ ہو گا کہ اس گھر کی دیوار کی اینٹیں ہلنا شروع ہو گئی ہیں۔

کچھ زیادہ ہی پیچیدہ ہو جاتی ہے جب یہ دونوں بیٹے دو بیویوں سے ہوں۔ کچھ ایسے ہی حالات ایک صاحب کو درپیش آئے جو صاحب مشیت تھے اور جن کا بڑا کاروبار تھا۔ اپنے دونوں بیٹوں کو انہوں

شفقت کرتا ہے یہ ایک فطری امر ہے کیونکہ چھوٹے اور معصوم بچے نہ صرف والدین بلکہ دوسروں کی توجہ اور محبت کے زیادہ مستحق ہوتے ہیں۔ اسی طرح بڑے کی بھی کسی خاص وصف کے لیے وقتاً فوقتاً حوصلہ افزائی ہونی چاہئے۔ لیکن وہی باپ اگر ایک پر تو جان چھڑکتا ہو اور دوسرے پر شفقت کی نگاہ ڈالنے کا بھی روادار نہ ہو اور گھر میں یہی عام رویہ اختیار کر لے تو بظاہر تو یہ ایک کے مقابلے میں دوسرے کو بھارتیہ کر دینا ہی کہا جائے گا لیکن باپ کے اس عمل کے باطن میں جھانکے تو اندازہ ہو گا کہ اس گھر کی دیوار کی اینٹیں ہلنا شروع ہو گئی ہیں۔ کیا شفقت و عنایت سے محروم بیٹا جس کے دل میں گرہ پڑ چکی ہے عمر کے آئندہ مراحل میں اس گھر کے افراد سے انسیت و یگانگت کا معاملہ کرے گا۔ ایسا شاید ہی ہو۔ یہ صورت حال

باپ اگر ایک پر تو جان چھڑکتا ہو اور دوسرے پر شفقت کی نگاہ ڈالنے کا بھی روادار نہ ہو اور گھر میں یہی عام رویہ اختیار کر لے تو بظاہر تو یہ ایک کے مقابلے میں دوسرے کو بھارتیہ کر دینا ہی کہا جائے گا لیکن باپ کے اس عمل کے باطن میں جھانکے تو اندازہ ہو گا کہ اس گھر کی دیوار کی اینٹیں ہلنا شروع ہو گئی ہیں۔

کچھ زیادہ ہی پیچیدہ ہو جاتی ہے جب یہ دونوں بیٹے دو بیویوں سے ہوں۔ کچھ ایسے ہی حالات ایک صاحب کو درپیش آئے جو صاحب مشیت تھے اور جن کا بڑا کاروبار تھا۔ اپنے دونوں بیٹوں کو انہوں

اقدار میں عدل کو بڑی اہمیت حاصل ہے کیونکہ صحت مند معاشرے کا استحکام اس کے بغیر ممکن نہیں۔ اسلام انسانی اقدار کا تصور پیش کرتے ہوئے خاندان کو پورے معاشرے کے تناظر میں دیکھتا ہے کیونکہ افراد کے مختصر مجموعوں سے ہی امت بنتی ہے اور صالح بنیادوں پر ان کے درمیان تعامل معاشرے کی فلاح کا ضامن ہے۔ آپ کسی ایسے گھریا خاندان کا تصور کیجیے جس کے افراد ایک دوسرے سے یگانگت اور تعاون کے بجائے عناد اور اختلاف کا رویہ اختیار کرتے ہوں تو ان میں سے کسی کی ترقی و بہبود کی ضمانت نہیں دی جاسکتی اور اسی لیے اسلام نے خاندان کے افراد کی عمر اور ان کی صلاحیتوں کے اعتبار سے ان کی ذمہ داریوں کی نوعیت کا تعین بھی کیا ہے۔

ایک طرف انسان کے ضمیر پر اس کا نفس ہمیشہ غالب آنے کی کوشش کرتا ہے۔ دوسری طرف دین اسلام کی وہ تعلیمات ہیں جو اسے اپنے نفس کے اعتبار پر اکتافی ہیں۔ احتساب کا یہی عمل جتنا شدید ہوتا جاتا ہے اسی قدر نفس کی سرکشی بھی بتدریج زائل ہوتی جاتی ہے۔ مثال کے طور پر ہر باپ اپنے سب سے بڑے یا چھوٹے بیٹے یا بیٹی سے ان کی کسی صلاحیت یا معصومیت کی بنا پر نسبتاً زیادہ

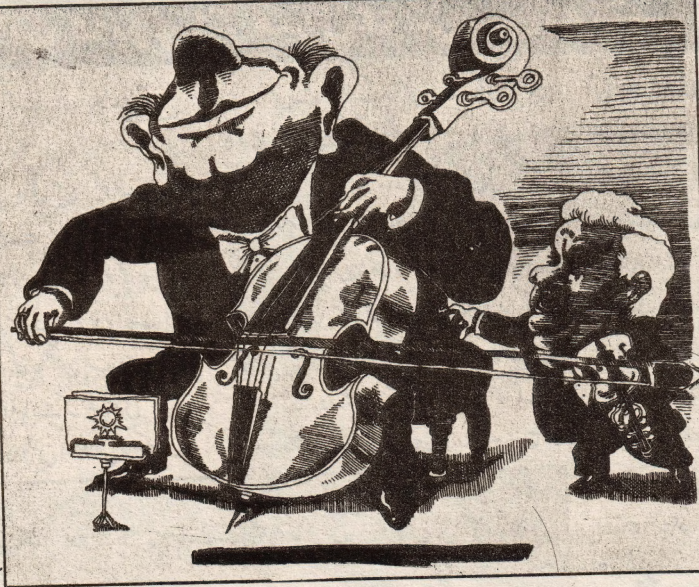
ایک طرف انسان کے ضمیر پر اس کا نفس ہمیشہ غالب آنے کی کوشش کرتا ہے۔ دوسری طرف دین اسلام کی وہ تعلیمات ہیں جو اسے اپنے نفس کے اعتبار پر اکتافی ہیں۔ احتساب کا یہی عمل جتنا شدید ہوتا جاتا ہے اسی قدر نفس کی سرکشی بھی بتدریج زائل ہوتی جاتی ہے۔ مثال کے طور پر ہر باپ اپنے سب سے بڑے یا چھوٹے بیٹے یا بیٹی سے ان کی کسی صلاحیت یا معصومیت کی بنا پر نسبتاً زیادہ

موسیقی کے سوال پر علماء میں اختلاف رائے ہے

آپ کے سوال اور ان کے فقہی جواب

ضرورت پڑ جائے تو اتنی املاک آپ کے پاس ہے کہ قرض ادا ہو جائے۔ اس کے علاوہ یہ کہ آپ سعودی عرب میں مقیم ہیں اس لیے گھر واپس آنے کے بعد جرح کرنے کے مقابلے میں اس وقت خرچ کم ہو گا۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ آپ اس موقع پر جرح کی سعادت حاصل کر لیں اور ساتھ ہی ساتھ اپنا قرض ادا کرنے کی بھی بھرپور سعی کرتے رہیں۔ اسلام اسی جذبے کو فروغ دیتا رہا ہے کیونکہ جب آپ کسی سے قرض لیتے ہیں

تو وہ آپ کے ساتھ بڑا احسان کرتا ہے لہذا قرض کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ آپ اس شخص کی بھلائی کا اعتراف کرتے ہوئے اس کا شکریہ بھی ادا کریں۔ تشکر کا یہ جذبہ آپ کو جلد از جلد قرض سے سبک دوش ہونے کی ترغیب بھی دے گا۔



تو وہ کسی اور مسجد میں لگ جانا چاہئے یا یہ کہ جو نئی مسجد بن رہی ہے اس میں وہ دروازہ لگادیا جائے۔ یہ بات ممکن تو ہے لیکن اس میں عملی دشواریاں خاصی ہیں ایسی صورت میں یہ ہو سکتا ہے کہ جو اشیاء ناقابل استعمال ہیں ان کی معقول قیمت مقرر کر لی جائے اور حاصل ہونے والی رقم نئی مسجد کی تعمیر کے اخراجات میں شامل کر لی جائے۔ اگر مسجد کی تعمیر مکمل ہو چکی ہے تو اس رقم کو سنبھال کر رکھا جائے

کیونکہ یہ آئندہ مرمت اور صفائی ستھرائی پر آنے والے اخراجات کو پورا کرنے میں کام آسکتی ہے۔ سوال: میں سعودی عرب میں ملازم ہوں اور وطن میں میں نے ایک بڑی رقم کسی سے قرض لی ہے جہاں میری املاک قرض لی گئی رقم سے خاصی زیادہ ہے۔ تاہم اگر مجھے یہ قرض اپنی تنخواہ

سوال: میں سعودی عرب میں ملازم ہوں اور وطن میں میں نے ایک بڑی رقم کسی سے قرض لی ہے جہاں میری املاک قرض لی گئی رقم سے خاصی زیادہ ہے۔ تاہم اگر مجھے یہ قرض اپنی تنخواہ

سوال: موسیقی سننے کے بارے میں علماء کے درمیان اختلاف

کی کیا حقیقت ہے۔ بعض کے نزدیک یہ جائز ہے اور بعض اس سے اختلاف کرتے ہیں مثلاً چشتیہ سلسلے میں قوالی اور سماع کا رواج ہے جب کہ دوسروں کے نزدیک ناپسندیدہ ہے۔

جواب: موسیقی کے سوال پر علماء واضح طور پر دو گروہوں میں منقسم ہیں۔ ایک کہتا ہے کہ موسیقی سننے میں کوئی مضائقہ نہیں اور دوسرا اسے ممنوع قرار دیتا ہے۔ موسیقی کے جواز کے بارے میں عموماً یہ بات بھی جاتی ہے کہ ایسی موسیقی کا سننا جائز ہے جس کا سننے والے کے قلب و ذہن پر اچھا اور فرحت بخش اثر پڑے۔ جس موسیقی کو سن کر جذبات اس طرح بھڑکیں کہ اس کے نتیجے میں

جب آپ کسی سے قرض لیتے ہیں تو وہ آپ کے ساتھ بڑا احسان کرتا ہے لہذا قرض کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ آپ اس شخص کی بھلائی کا اعتراف کرتے ہوئے اس کا شکریہ بھی ادا کریں۔

نا پسندیدہ اور مکروہ و ممنوع حرکات سننے والے سے سرزد ہونے لگیں تو اس کا سننا جائز نہیں ہو گا۔ ایسی حالت میں سماعت موسیقی کے نتیجے سے اس بات کا تعین ہو گا کہ وہ جائز ہے یا ناجائز۔ غرض کہ وہ موسیقی جسے سن کر وہ آئے اور ذہن و دل میں

آپ کے دانت بیمار ہیں؟ علاج کیجئے ورنہ ہارٹ اٹیک ہو سکتا ہے

دانتوں کی صفائی کے لئے سیب سے بہتر کوئی پھل اور غذا نہیں

کو گرنے اور سڑنے سے بچاتا ہے۔ جہاں تک ان میں بہتری بھی آتی ہے اور یہ مادہ بھی دانتوں کی



اپنے آپ رک جائے گا اور دانت کمزور ہو جائیں گے۔ دانتوں کی کمزوری سے نہ صرف دانتوں میں تلوث اور خلا جیسی شکایات کا سامنا کرنا پڑتا ہے بلکہ تازہ ترین تحقیق جو برٹش میڈیکل جرنل میں شائع ہوئی ہے اس سے معلوم ہوا کہ دانتوں اور مسوڑھوں کے عارضے میں مبتلا ہونے والے افراد کو ہارٹ اٹیک کا خطرہ ان لوگوں سے زیادہ رہتا ہے جو ان عوارض سے بچے رہتے ہیں۔ محققین کی اس نکتہ تک رسائی کی بنیاد یہ ہے کہ دندانی تلوث سے پیدا شدہ زہریلے مادے دوران خون میں شامل ہو کر خون کی شریانوں کے اوپر کولسٹرول کی پرت چڑھائے رہتے ہیں اور ان میں تنگی آتی جاتی ہے۔

چینی ملے ہوئے سوڈا کا اثر دانتوں پر بڑی تیزی سے ہوتا ہے۔ چند برس پہلے کیے گئے ایک تجربے سے ثابت ہوا ہے کہ کسی معروف کولا کی مرہند بوتل میں رکھا ہوا انسانی دانت تین ماہ کے عرصہ میں پوری طرح تحلیل ہو گیا۔ دانتوں کی حفاظت کے معاملہ میں یہ بات بڑی اہمیت رکھتی ہے کہ دانتوں کی پالش ہی پورے جسم کا وہ خلیہ ہے جو خود بخود مندمل نہیں ہوتا۔ اگر یہ ضائع ہو گیا تو مجھے کہ آپ کے جسم کا ایک مستقل حصہ الگ ہو گیا۔ علاج بیماری سے بہتر

چینی ملے ہوئے سوڈا کا اثر دانتوں پر بڑی تیزی سے ہوتا ہے۔ چند برس پہلے کیے گئے ایک تجربے سے ثابت ہوا ہے کہ کسی معروف کولا کی مرہند بوتل میں رکھا ہوا انسانی دانت تین ماہ کے عرصہ میں پوری طرح تحلیل ہو گیا۔ دانتوں کو مضبوط رکھنے کے بعض قدرتی طریقوں میں سے ایک یہ ہے کہ گھر میں لگائے ہوئے گیہوں کے پودے کی ہری ڈنڈھل اتنی دیر تک چبائیں کہ اس کے ریشے میں سفیدی جھلکنے لگے۔ اس ڈنڈھل میں موجود فعال کلوروفل دانتوں کو گرنے اور سڑنے سے بچاتا ہے۔

مضبوط گرفت میں رکھنا ہوتا ہے۔ لقمے کو اچھی طرح چبا کر کھانے پر اطباء کے یہاں اسی بنا پر زور دیا جاتا رہا ہے کہ یہ عمل بذات خود منہ کے اندر مختلف حصوں کی صفائی کا کام بھی کرتا رہتا ہے۔ جب ایسی غذا کا سلسلہ ہی ختم ہو جائے گا جسے چبا کر کھایا جائے تو ظاہر ہے کہ صفائی کا یہ قدرتی عمل بھی

مضبوط گرفت میں رکھنا ہوتا ہے۔ لقمے کو اچھی طرح چبا کر کھانے پر اطباء کے یہاں اسی بنا پر زور دیا جاتا رہا ہے کہ یہ عمل بذات خود منہ کے اندر مختلف حصوں کی صفائی کا کام بھی کرتا رہتا ہے۔ جب ایسی غذا کا سلسلہ ہی ختم ہو جائے گا جسے چبا کر کھایا جائے تو ظاہر ہے کہ صفائی کا یہ قدرتی عمل بھی

مضبوط گرفت میں رکھنا ہوتا ہے۔ لقمے کو اچھی طرح چبا کر کھانے پر اطباء کے یہاں اسی بنا پر زور دیا جاتا رہا ہے کہ یہ عمل بذات خود منہ کے اندر مختلف حصوں کی صفائی کا کام بھی کرتا رہتا ہے۔ جب ایسی غذا کا سلسلہ ہی ختم ہو جائے گا جسے چبا کر کھایا جائے تو ظاہر ہے کہ صفائی کا یہ قدرتی عمل بھی

صحت میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ دانتوں کو چمکانے کا قدرتی طریقہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ برش کرنے سے پہلے اسے لیموں کے عرق میں بھگو لیں۔ دانتوں کی صفائی اور ورزش کرنے والی غذاؤں کی طرف خصوصی توجہ دے کر ہم دانتوں کو لاحق ہونے والے عارضوں سے محفوظ رہ سکتے اور مصنوعی سہاروں سے بھی بچ سکتے ہیں۔

چیزوں کا تعلق ہے جو دانتوں اور منہ کو صاف کرنے میں مددگار ہوتی ہیں تو سیب سے بہتر اور کچھ ہے ہی نہیں۔ اپنی کتاب ”ڈنٹل سروے“ میں ڈاکٹر ڈونالڈ ٹی بانکس نے لکھا ہے کہ کھانے کے بعد اگر کوئی ایک سیب کھالے تو اس کا وہی کام ہوتا ہے جو ٹوتھ برش کا۔ اس سے نہ صرف یہ کہ دانت صاف ہوتے ہیں بلکہ لعاب دہن کی روانی

دانتوں کی صحت کے شعبے پر دانتوں کو مضبوط رکھنے کے بعض قدرتی طریقوں میں سے ایک یہ ہے کہ گھر میں لگائے ہوئے گیہوں کے پودے کی ہری ڈنڈھل اتنی دیر تک چبائیں کہ اس کے ریشے میں سفیدی جھلکنے لگے۔ اس ڈنڈھل میں موجود فعال کلوروفل دانتوں

مضبوط گرفت میں رکھنا ہوتا ہے۔ لقمے کو اچھی طرح چبا کر کھانے پر اطباء کے یہاں اسی بنا پر زور دیا جاتا رہا ہے کہ یہ عمل بذات خود منہ کے اندر مختلف حصوں کی صفائی کا کام بھی کرتا رہتا ہے۔ جب ایسی غذا کا سلسلہ ہی ختم ہو جائے گا جسے چبا کر کھایا جائے تو ظاہر ہے کہ صفائی کا یہ قدرتی عمل بھی

مضبوط گرفت میں رکھنا ہوتا ہے۔ لقمے کو اچھی طرح چبا کر کھانے پر اطباء کے یہاں اسی بنا پر زور دیا جاتا رہا ہے کہ یہ عمل بذات خود منہ کے اندر مختلف حصوں کی صفائی کا کام بھی کرتا رہتا ہے۔ جب ایسی غذا کا سلسلہ ہی ختم ہو جائے گا جسے چبا کر کھایا جائے تو ظاہر ہے کہ صفائی کا یہ قدرتی عمل بھی

دواؤں کا جسمانی آہنگ سے گہرا رشتہ ہوتا ہے

دوائیں اس کا بھی اثر قبول کرتی ہیں کہ کتنی دیر سوتے ہیں کتنا مستعد اور کتنا سست رہتے ہیں

دوسرے افراد کا تعلق بھی سونے اور جاگنے سے ہے۔ گویا کہ بلڈ پریشر، درجہ حرارت، نبض کی رفتار اور جیالو لزم میں اتار چڑھاؤ ہمیں اس بات کا اشارہ دیتا ہے کہ بیماریوں سے دفاع کے لیے ہم کس وقت پوری طرح آراستہ ہیں اور کب ان کے مقابلے میں کمزور پڑ رہے ہیں سونے اور جاگنے

مطابق خود کو ڈھالتا ہے۔ روشنی اور تاریکی کے اعتبار سے ہی جسم کے غدود سے ہارمونوں کا اخراج ہوتا ہے جو آہنگ کو برقرار رکھنے میں مددگار ہوتے ہیں۔ ہارمون سے ایسی کیفیت طاری

بہتر نتائج کے لئے سوہ ہضم رفع کرنے والی دوائیں بھی رات کو ہی استعمال کرانی جاتی ہیں۔ گھٹیا کی صبح کو اور السر کی دوائیں شام کو دی جاتی ہیں۔ کیونکہ معدے سے خارج ہونے والے تیزابی مادے ان اوقات میں اپنے عروج پر ہوتے ہیں اور دوائیں تیزابیت کو مارتی ہیں۔

صبح کو اور السر کی دوائیں شام کو دی جاتی ہیں کیونکہ معدے سے خارج ہونے والے تیزابی مادے ان اوقات میں اپنے عروج پر ہوتے ہیں اور دوائیں تیزابیت کو مارتی ہیں۔ بریسٹ کینسر کے معاملات میں مندرجہ کو ہارمونی ادویات کے مطابق تقسیم سے حیات و موت کا فرق واقع ہو سکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زیادہ تر جسمانی افعال جسم کے

نے مریض کے جسم کے داخلی آہنگ کی نزاکتوں کا مطالعہ کیا ہے۔ کرونا تھراپیٹکس کا ایک نظام الاوقات وضع ہوجانے سے طبی مسائل کی تشخیص میں بھی بڑی آسانیاں پیدا ہونے والی ہیں اور طب کے پیشے میں یہ طریقہ کار واقعی ایک دن انقلاب لائے گا۔ دم، گھٹیا اور السر کے علاج میں کرونا تھراپیٹکس کا طریقہ کار ترقی یافتہ ممالک میں پہلے ہی رائج ہے۔ دم میں استعمال ہونے والا ایک نیا نسخہ جو مریض کو وقفے وقفے سے دن میں دیا جاتا تھا

آپ نے سوچا ہے کہ مریضوں کو زیادہ تر دوائیں سوتے وقت کیوں دی جاتی ہیں، کیونکہ دن اور رات کا جسمانی نظام سے گہرا تعلق ہے کولون کینسر میں مبتلا ایک ساٹھ سالہ مریض کو کچھ دن سے اچانک کیمو تھراپی کا سلسلہ بند کرنا پڑا جب اس کے مضر اثرات بڑھ گئے۔ لیکن اب وہی مریض اب اس حالت میں آگیا ہے کہ بغیر کوئی منفی رد عمل ظاہر کیے وہ تمام دوائیں استعمال کر سکتا ہے

کرونا تھراپیٹکس کا ایک نظام الاوقات وضع ہوجانے سے طبی مسائل کی تشخیص میں بھی بڑی آسانیاں پیدا ہونے والی ہیں اور طب کے پیشے میں یہ طریقہ کار واقعی ایک دن انقلاب لائے گا۔ دم، گھٹیا اور السر کے علاج میں کرونا تھراپیٹکس کا طریقہ کار ترقی یافتہ ممالک میں پہلے ہی رائج ہے۔

کے معمول کو بہتر بنانے کے لیے غذائی عاداتوں میں بہتری لانے کی ضرورت تو رہتی ہے اس کے ساتھ ساتھ جسم کو چاق و چوبند رکھنے کے لیے مناسب ورزش کی بھی اہمیت اپنی جگہ ہے۔ کاربو ہائیڈریٹ سے بھرپور غذا سیروٹونین نام کا مادہ جسم میں پیدا کرتی ہے جس سے دماغ پر غنودگی طاری ہوتی ہے اس کے برعکس پروٹین والی غذا سے ایسے مادے پیدا ہوتے ہیں جو اسے چست رکھیں۔

ہوتی ہے جس سے نیند آئے اور اس سے جسم کے درجہ حرارت اور کارشیل یا اسٹرس ہارمون کی سطح میں بھی کمی آتی ہے۔ صبح کی روشنی Melemtionin کو دبا کر جسم کا درجہ حرارت بڑھا دیتی ہے۔ ہارمون یول میں کمی و زیادتی کے علاوہ داخلی جسمانی آہنگ کئی دیگر عوامل کو بھی کنٹرول کرتا ہے جن کا تعلق دماغ کی برقی سرگرمی سے لے کر ایام حیض تک ہے۔ جسم کے کئی

روزانہ، ہفتہ وار، ماہوار یا سالانہ بائیولوجیکل تبدیلیوں سے مربوط ہوتے ہیں اور اسی سے اس بات کا بھی تعین ہوتا ہے کہ کوئی شخص کب اور کتنی دیر سوتا ہے۔ کتنا مستعد یا کتنا سست ہے اس جسمانی آہنگ کو برقرار رکھنے کا مرکز دماغ کا وہ حصہ ہے جسے Hypothalamus کہتے ہیں۔ روشنی اور تاریکی کی بدلتی ہوئی حالتوں سے جسم کا یہ آہنگ اثر قبول کرتا ہے اور اس کے

اب وہی رات میں دیا جانے لگا ہے اور اسی طرح بہتر نتائج کے لیے سوہ ہضم رفع کرنے والی دوائیں بھی رات کو ہی استعمال کرانی جاتی ہیں۔ گھٹیا کی

اس تبدیلی کا سہرا ہرمن سٹر فار کرونا بائیولوجی اور کرونا تھراپیٹکس کے ڈاکٹر لونی کمپوس کو جاتا ہے جنہوں

کیا کمیونزم کے زوال کے بعد اسلام اور مغرب ایک دوسرے کے جانی دشمن بن گئے ہیں

ایک مغربی مصنف نے مشرق و مغرب کے ذہنوں پر چھائے اندیشوں کے بادل صاف کرنے کی کوشش کی ہے

ملی ٹائمز میں تبصرے کے لئے دو نسخے آنا لازمی ہیں تبصرے کے لئے کتابوں کے انتخاب کا حتمی فیصلہ ادارہ کرے گا البتہ وصول ہونے والی کتابوں کا اندراج ان کالموں میں ضرور ہوگا۔

نام کتاب: Islam And The Myth Of Confrontation

مصنف: فریڈ ہیلی ڈے

قیمت: 12.95 ڈالر، صفحات: ۲۵۰

مبصر: شوساگی / ترجمہ: س۔ احمد

جنگ عظیم کے زمانے ہی سے مشرق وسطیٰ پر در

پے تصادم کی آماجگاہ بنا رہا ہے۔ کئی دہائیوں تک سرد جنگ کے تماشے بھی دیکھے جاتے رہے جب روس امریکی غلبے کو ختم کر کے تیل کی دولت سے مالال غلبے میں اپنا رسوخ قائم کرنے کے لیے کوشاں تھا۔ یہ عام خیال بن چکا تھا کہ اگر تیسری

جائے گی۔ تاہم اگرچہ اس سرد جنگ کے حریف علاقائی گٹھ جوڑوں کی بدولت بدلتے رہے بنیادی طرز عمل اپنی جگہ پر قائم رہا اس کی وجہ تھی شاہ کے دور حکومت کا ایران، جو اس خطے میں اس کی بہترین اور مسلح ترین فوجی طاقت، امریکہ نواز رویہ اور اسرائیل کے تئیں غیر جانب دارانہ پالیسی۔ گویا ایران مشرق وسطیٰ میں جس پر عربوں کی بالادستی بھی ایک طرح کا توازن کا ضامن تھا۔ ۱۹۷۹ء کے انقلاب کے بعد یہ توازن ٹوٹ گیا اور سیاسی رزمگاہ میں جس رجحان نے قدم رکھا وہ تھا اسلامی بنیاد پرستی کا۔

ایسے افراد کم ہی ملیں گے جو مشرق وسطیٰ کی

صدام حسین کے حقوق انسانی کی پامالی کے تمام گزشتہ ریکارڈ کو نظر انداز کرتے ہوئے مغرب نے عراق کو پوری طرح مسلح کیا اور ایران کے خلاف جنگ میں اس کی حمایت کی لیکن وہی مغرب کویت پر حملہ آور ہونے سے روک نہیں سکا۔ یہی وہ دوہرا معیار ہے جس کے لئے مصنف نے مغرب کی سرزنش کی ہے

جنگ عظیم بھر کی تو خلیج فارس کے کنارے ہی لڑی سیاسی پیچیدگیوں کے مطالعے میں فریڈ ہیلی ڈے جیسے فہم و بصیرت کا ثبوت دے سکیں۔ فارسی اور عربی میں مہارت رکھنے کے ساتھ ساتھ انہوں نے

آپ کی الجھنیں

مشرق وسطیٰ کے معاشرہوں کا گہرا مشاہدہ کیا ہے اور مخصوص ممالک کے مسائل پر ان کی کئی تصانیف بھی منظر عام پر آچکی ہیں۔ زیر نظر کتاب عالمی روابط کے وسیع تناظر میں عہد حاضر کے مشرق وسطیٰ کا ایک تفصیلی تجزیہ ہے۔ کمیونزم کے زوال اور اسلامی بنیاد پرستی کے منظر عام پر آنے کے بعد سے اسلام کو مغرب کا جانی دشمن سمجھا جانے لگا ہے۔ مسلم بنیاد پرستوں کے مغرب مخالف نعرے اور اس خطے کو درپیش مختلف مسائل خواہ وہ ظہنی جنگ یا عرب۔ اسرائیل تصادم، مسلمان رشدی کی کتاب شیطانی آیات کا معاملہ ہو یا انسانی حقوق کی پامالی کا۔ ان سب کو مسلم معاشرہ پر اسلام کے اثرات کا نتیجہ بتایا جاتا ہے۔ غرض کہ اسلام کا جمہوریت اور سیکولرزم سے دور کا بھی واسطہ نہیں اور اس کا کام اگر کچھ ہے تو تشدد اور جمود کا فروغ ہے۔

پروفیسر ہیلی ڈے نے مشرق و مغرب دونوں طرف کے ذہنوں پر سے اندیشوں اور تصورات کی دھند چھاننے کی کوشش کی ہے جس کے لیے ابتدا میں "اسلام اور اسلام" کے درمیان انہوں نے خط فاصل کھینچی ہے۔ اول الذکر سے ان کی مراد ہے ایک ایسا الہامی مذہب جس پر دنیا

اپنی تصنیف کا خاص طور سے موضوع بنایا ہے۔ پہلا خام تصور جس کی انہوں نے تردید کی ہے یہ ہے کہ مشرق وسطیٰ ایک مربوط وحدت ہے اور اس اعتبار سے باقی دنیا سے یکسر مختلف ہے اور ایسی نادر مثال ہے جو خارجی دنیا کی سمجھ سے باہر ہے۔ ان کا خیال ہے کہ مشرق وسطیٰ تہذیب کے مختلف ارتقائی مراحل میں مختلف تہذیبوں پر مشتمل رہا ہے اور ہے اور اسے وہ تمام مسائل درپیش ہیں جو تیسری دنیا کے دیگر ممالک کو ہیں۔ بدعنوانی، ظلم و جبر اور بادی سب کچھ وہاں موجود ہے۔ اور نہ ہی اسلام ایک مرکزی نظام کی حیثیت سے تمام اسلامی ممالک میں نافذ ہے۔ اسلام اور مغرب کے درمیان تصادم

اصطلاحات ہی مغربی سیاسی محاورے سے مستعار ہیں۔ ایک طرف تو علامہ خمینی نے ٹیلی فون کو مغربی ایجاد قرار دے کر اس کے استعمال سے انکار کر دیا تھا اور دوسری طرف وہ مغربی طیارے ہی کے ذریعے ایران واپس آئے تھے۔ پروفیسر ہیلی ڈے نے ظہنی جنگ کا جو تجزیہ پیش کیا ہے اس سے زیادہ معلومات افزا اور تکلیف دہ تفصیل نظر سے نہیں گذری۔ صدام حسین کے حقوق انسانی کی پامالی کے تمام گزشتہ ریکارڈ کو نظر انداز کرتے ہوئے مغرب نے عراق کو پوری طرح مسلح کیا اور ایران کے خلاف جنگ میں اس کی حمایت کی لیکن وہی مغرب کویت پر حملہ آور ہونے سے اسے روک نہیں سکا۔ یہی وہ دوہرا معیار ہے جس کے لیے مصنف نے مغرب کی سرزنش کی ہے۔

آپ ٹیلیفون پر اپنی ساس کے بجائے اپنی بیوی سے بات کیوں نہیں کرتے

اگر آپ کسی الجھن میں ہیں یا کسی اہم مسئلے پر فیصلہ لینے کی پوزیشن میں نہیں ہیں جس سے آپ کی زندگی کا سکون درہم برہم ہو گیا ہے تو آپ فوری طور پر ہمیں اپنے مسائل سے آگاہ کریں۔ ہم اس کالم میں آپ کی نفسیاتی الجھنوں کو دور کرنے کی پوری کوشش کریں گے۔

سوال: میں نے تین سال پہلے شادی کی تھی، میں سعودی میں نو سال سے رہتا ہوں، میں جب سعودی چلا جاتا ہوں تو میری بیوی ٹھیک سے نہیں رہتی ہے نہ تو میرے گھر پر جاتی ہے نہ تو میرے پاس خط لکھتی ہے نہ ہی ٹیلی فون کرتی ہے میں تو مینے کے اندر ۲۴ خط اپنی بیوی کے پاس پوسٹ کر چکا ہوں اس میں سے ایک خط کا جواب آیا ہے اور خرچہ ۵۵۰۰ سو روپیہ نو مینے کے اندر دے چکا ہوں، میں جب اپنی سسرال فون کرتا ہوں تو اس کی ماں بولتی ہے کہ آپ کی بیوی کا کھانا ہے کہ جب وہ انڈیا آئیں گے تب میں ان سے بات کروں گی۔

جواب: آپ کی بیوی کو چاہیے کہ وہ آپ کے خطوط کا تشفی بخش جواب دیتی رہے۔ آپ نے اب تک جو خط اسے لکھے ممکن ہے کہ ان میں سے بعض ہمیں راستے میں ضائع ہو گئے ہوں۔ ایسی صورت میں یہ ہو سکتا تھا کہ آپ کسی ہم وطن کو جو چھٹی گزرا نے جاہا ہوا اپنے متعلقین

تجکڑا رہو جاتا تو پھر بھی دل ہی دل میں اس شخص کو مار ڈالتا ہوں یا اس سے اپنا بدلہ لے لیتا ہوں۔ یا پھر تنہائی میں اور سب لوگوں کی موجودگی میں بھی مسلسل کسی نہ کسی سے باتیں کرتا رہتا ہوں۔ نفسیاتی اصطلاح میں اس بیماری کو کیا نام دیا گیا ہے۔ اگر یہ کوئی بیماری ہے تو اس کا علاج بتائیں۔

جواب: آپ کو اپنے مسائل میں عمر، پیشہ، جسمانی و ازدواجی حالت کی تفصیل بھی دینی چاہئے تھی۔ تاہم جس انداز سے آپ نے خط لکھا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ پر یہ کیفیت ہر وقت نہیں بلکہ دن رات کے کسی وقفے میں یا ہفتے دو ہفتے میں طاری ہوتی ہے۔ جب یہ کیفیت گزر جاتی ہے تو آپ پورے ہوتے ہوئے اس میں رہتے ہیں۔ آپ پورے ہوتے ہوئے اس میں رہتے ہیں۔ آپ پورے ہوتے ہوئے اس میں رہتے ہیں۔

اصطلاحی زمرے میں رکھنے کے بلکہ ظاہری کیفیات مثلاً اضطراب وغیرہ کے حوالے سے ایسے مریضوں کا علاج کرتے ہیں۔ اور یہ تجربہ آپ کو بھی چلے میں جس کا کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ اس



سے ہمیں یہ سرا ملتا ہے کہ آپ کے عارضے کا تعلق ذہن سے کم اور نظام ہضم سے زیادہ ہے۔ ہضم کے باعث دماغ جب متاثر ہوتا ہے تو اس سے ذہنی انتشار پیدا ہوتا ہے۔ ظاہری بات آپ کو معمولی اور غیر اہم نظر آئے گی لیکن آپ اپنے کھانے پینے کے معمولات پر تنقیدی نگاہ ڈالیں۔ پھر سوچیں کہ جس دن آپ نے ہمیں یہ خط لکھا کیا اس دن آپ کی طبیعت نسبتاً زیادہ بہتر تھی اور آپ نے گزشتہ اڑتالیس گھنٹوں کے اندر کیا کھایا پیا تھا۔ آپ کی اجابت کی کیا کیفیت تھی قبض تھا یا نہیں تھا۔ اور کیا آپ کو قبض کی شکایت تو نہیں رہتی۔ آپ عموماً کتنے گھنٹے سوتے ہیں۔ اگر کسی دن چھ سات گھنٹے سے کم یعنی تین چار گھنٹے کی ہی نیند آئے تو آپ کی کیا حالت دن بھر رہتی ہے۔ اس سب پر اپنے روز و شب کا مشاہدہ ایک ہفتے تک ضرور کریں اور اپنی حالت میں کسی بہتر تغیر کا اندازہ کرنے کے لیے ہمارا مشورہ یہ ہے کہ اگر آپ غیر سبزی خور ہیں تو آپ دس دن تک صرف دال روٹی سبزی اور سلا کو اپنی غذا بنائیں۔ اگر اس دوران قبض کی شکایت ہو تو رات کو ملے گرم دودھ کے ساتھ سوتے وقت اسپ غول کی بھوسی ایک چمچ بھانک لیں۔

No Secularism please, We're Muslims!

Secularism as a political ideology is not compatible with Islam.

The Secular dream, at its best, is a fascist's dream, argues Rashid Shaz

Today, politicians on all sides are worried about the future of their secular dream. To their dismay, in the midst of all the political yuk-yuk, the new generation of Muslim Indians has woken up to realise that for the country's 250 million Muslims 'their' secular dream is no less than a nightmare. To a Muslim Indian the word secularism is the pits, almost a blasphemy. Recently, during the hectic days of electoral activities, when we were bombarded with the news that the secular order was in danger, when most respectable of our Ulema exhorted us to come to the fore to wage a war against the anti-secular forces and when some of our naive organizations, with a long-standing Islamic reputation notwithstanding, called it our religious duty to act as secular crusaders, letting us believe as if on it depended our destiny, even then, we did not feel moved. In fact no empty or for that matter 'secular' rhetoric could move us. More than 75% Muslims, as the political analysts say, stayed away from the polls. In the absence of a fourth Muslim option we found it ridiculous to vote for this enemy or that foe.

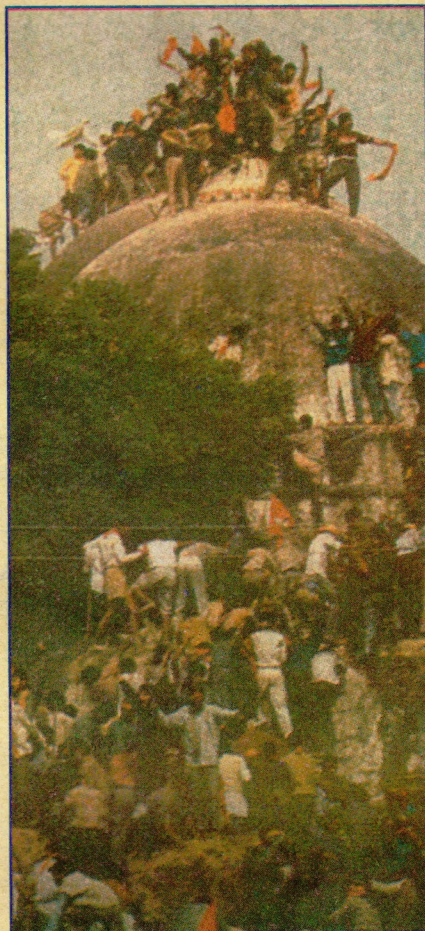
The recent attempts at redefining secularism or attaching some more attractive meanings to it, is more than a mere poll plank. It is a concerted effort to lull the Ummah to sleep for yet another 50 years, giving them a false sense of security. We Muslims don't need a redefinition of secularism, nor do we want to attach new meanings to this existing torment; for the old meanings of secularism and the painful experiences attached to it are yet to fade from our memories. Living a life of political slavery in this secular inferno for almost half a century has given us sufficient understanding about various facets of this oppressive political ideology. From mass rape to organized pogrom, from state terrorism to the Operation Demolition, it has only been the secularism at work. Are these shades of meaning or the list of torture not enough? Why then they still insist on a redefinition?

Every effort to redefine secularism takes it for granted that we Muslims will be upfront in defending it, that if there can be anything meaningful for us to do it can only be to help keep this oppressive secular machinery intact. For the last fifty years we have been the main defenders of this secular fraud. Our concerted efforts constantly brought the secular magicians to power. From Nehru to Devegowda it were we who paid all price to keep this secular system going and it were we, none else, whom the system rewarded with mass rape, pogroms and the unending sufferings of all varieties. What more do we ask for?

Today, with the fall of the secular order and with the marginalisation of some of our worst enemies, we are again being pulled to the center stage of secular drama. Once again our demand is on high, as scapegoats of secularism. But things are not the

same any more. The new generation of Muslim Indians has refused to toe to this line. To them it matters not if the secular polity holds the key or the fascism takes its turn; for they know well that secularism, at its best, is a fascist's dream.

Secularism as a political ideology is not compatible with Islam. The mildest variety of secularism asks us to shun Islamic polity, to ignore the divine guidance in managing the affairs of the state and our day to day life. While secularism calls for a political life away from the Quran and Sunnah, the Quran enjoins upon us, in clear terms, to organize our political life as desired by Allah and His prophet, and if we do not organize our mundane life along the Quranic principles,



or do not judge by what Allah has revealed to us, we will cease to exist as Muslims (5:4). A secularist can find a role model for himself in a Gandhi or a Nehru but for a Muslim the only role model is to be found in the personality of prophet Muhammed, upon whom be peace. The prophet has not only taught us how to pray he has also given us a political philosophy. Substituting a secular polity with an Islamic one, or accepting some one as our political boss other than the prophet himself would certainly amount to severing all ties with Allah and His prophet. Islam enjoins upon us to accept the faith in full, *Udkholu fis silm Kaffah*. We either take the full package or leave it altogether. Islam does not allow a dual membership. You either be a man of Muhammed or a flunky of a nasty *Mushrik*. You cannot be a member of *Hizbullah* and *Hizbush Shaitan* one and at the same time. To be a secular Muslim is a blasphemous idea.

Islamically speaking, we cannot share a secular dream. No way. Not long ago, some political idiots among us would even talk of National Integration. Now, an old fashioned idea. I still wonder how a sane Muslim can ever imagine that one day the Ummah of Islam and the Ummah of Kufr will fuse into a harmonious whole. It's like uniting fire with water. A wild dream. If today we have any dream it is to establish a just order, not a secular order indeed! And if your secularism falls within our ambit, okay, we don't have any problem. But by no means it is incumbent on us to care least for 'your' secular order.

Last week I was invited to address a gathering of young people. A bright young girl asked me whether in my opinion, it amounted to Kufr to proclaim that secularism was the only viable political ideology for this multi-ethnic, multi-religious country? "Isn't it, in another words", she argued, "we are saying that the Quranic guidance is not relevant for this country, that in our special situation we should not turn to the Quran for a political guidance?" If that be the case, she blushed, this statement was by none but by one of our most respected Ulema. She quoted passages after passages wondering how the most wise men among us have taken a god other than Allah - the idol of secularism.

What is easier for our youngsters to understand is difficult for our 'wise-old-men' to swallow. This secular polity, of de-linking the Quranic guidance from the mundane political life, or taking the disbelievers as our political leaders, was laid down by our great seers like Azad and Madani. Big names. The youngsters, having no burden of history, can judge things at its true value. For them the big names are not the big stumbling blocks but big sad experiments to learn small things. They know it well that without a proper Muslim polity the Ummah will be reduced to an appendage to *Kuffar-o-Mushrekeen*, a plaything in the hands of secular magicians.

A new definition of secularism is certainly not the need of the hour, rather what is needed is a more sympathetic attitude to realize our ideological bindings, our commitments and our own agenda. We're preoccupied with our own things. To rush to the defence of 'your' secularism is too much to expect from us. If we have any message for our long-standing secular 'well-wishers', it is only this message; please get off our backs.

The author is the Leader of the Milli Parliament and Chairman of the Institute of Muslim Ummah Affairs.

Calling for a new political role for Muslims

The country is at the brink of a total collapse. Today it is obvious to many observers that we are steadily marching towards chaos and disintegration. In post-demolition India the secular democratic ideals have lost their credibility and there is no ideology that can hold the country together. As for the political leadership, it is so corrupt, self-centered and power-hungry that it least bothers about the future of this land, its only concern remains to fulfill its personal political whims and vain ambitions. In such a chaotic situation any nation, no matter what great history it may boast of, is doomed to perish. The voices of dissent are coming not only from Kashmir, Assam, Punjab, and Nagaland but from all directions and in some quarters they have gained an alarming strength.... In the wake of ever-growing forces of disintegration and menace of fascism what, then, can hold the country together? Certainly not the coercive state power, nor false promises and empty slogans. If we are open to learn from the Soviet experience, we must come to terms with the reality, we must mend the situation now, we must work hard to avoid the obvious disaster. We must change the direction of this great country which, as we know, is heading towards a blood-bath, a total anarchy in which millions may perish.

We Muslims are not just citizens of this country, we are much more. Being the Ummah of the last Prophet of Allah and being the upholders of the last and final revelation, it is our primary duty to stand against all kinds of oppression, no matter who be the victim and who the victimizer. It is our religious duty to come to the fore to set things right, to challenge the system of Kufr and give a leadership to our beloved country suffering from the crisis of mismanagement and the evil deeds of our corrupt rulers... It was only after the demolition of the Babri Masjid, in December 1992, that a new awareness dawned upon the Muslim Ummah. They started realising that the last 50 years of Muslim political history contain dark pages and the secular democratic ideals are unable to guarantee the protection of their Islamic symbols. The new generation of Muslim leadership, gathered to set up a Milli Parliament in the wake of post-demolition anti-Muslim riots, realized that in practical terms the secular democracy was no less than a constitutional fraud aimed at subjugating India's 250 million Muslims.

Muslims have absolutely no political future within the existing electoral system. Hence major changes must be made. If the unjust rules of the game leave no room for us to win then we must re-write the rules.... Today the new generation of Muslim Indians declares this unjust political system null and void and invites the inhabitants of this country to prepare a blueprint of future India in which peace and prosperity may prevail... As a first step in this direction we advocate the adaption of a system of proportional representation based on separate electorate... As a second step towards social justice the subcontinent may be turned into a cultural federation... This alone can rescue the sinking boat of the country and save its inhabitants from an impending doom.

Excerpts from the Muslim Political Bill presented at the 1996 winter session of the Milli Parliament